اردو جرنلزم

حسن عابدی

اُردو جرنلزم

حسن عابدی

مشعل

آر-بی 5 ، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور54600 ، پاکستان

فہرست

شریف المجاہد

پیش لفظ

پاکستان میں صحافت کی تدریس کا آغاز اس صدی کے پانچویں عشرے کے وسط سے ہوا۔ صحافت کے شعبے سب سے پہلے پنجاب یونیورسٹی اور جامعہ کراچی میں قائم ہوئے، اس کے بعد دو بڑے جامعات میں بھی اس کی ابتدا ہوئی۔ اس وقت پاکستان کی نو یونیورسٹیاں، صحافت یا ابلاغ عامہ کے شعبوں میں ڈگری اور ڈپلومہ کی تعلیم دے رہی ہیں۔ ان کورسوں کے نصاب امریکہ میں صحافت کی تعلیم کی طرز پر مرتب کئے گئے ہیں اور نصابی کتب بھی بیشتر امریکہ کی ہیں۔ یہ بات تشویش کی ہے کہ صحافتی نگارش اور اداریہ نگاری کے مختلف پہلوؤں پر جو نصابی کتب پاکستان میں مرتب کی گئی ہیں وہ تعداد میں نہایت کم ہیں۔ اس کمی کا احساس خاص طور پر اس وقت ہوتا ہے جب ہم ان کا مقابلہ دوسرے ایشیائی ملکوں مثلاً فلپائن سے کرتے ہیں جہاں صحافت کی فنی تدریس پاکستان کے مقابلے میں بہت دیر سے ہوئی۔

علاوہ ازیں ایسی ساری کتابیں اردو میں ہیں اور کسی نہ کسی سبب سے انگریزی میں نصابی کتب لکھنے کی کوئی کامیاب کوشش (ایسی کتب جو پاکستان کی ضرورت پر پوری اتریں) اب تک نہیں کی گئی۔ زیرِنظر کتاب فرینک جوسی (Frank Jossi) کی کتاب پر مبنی ہے۔ یہ کتاب جس نہج پر مرتب کی گئی ہے، اسے ''کیسے کیا جائے؟'' کا انداز کہہ سکتے ہیں۔ اس میں سارا مواد ایک ترتیب اور قاعدے قرینے سے مرتب کیا گیا ہے۔ مصنف اپنے قاری کو قدم بہ قدم ساتھ لے کر چلتا ہے۔ کتاب کے پانچ ابواب ہیں وہ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ایک خاص طرح کی خبر کا ابتدائیہ کیسے لکھا جائے، اس کا تانا بانا کیسے بنایا ایسی ہی دوسری خبروں کے مقابلے میں اس خبر کو منفرد کس طرح بنایا جا سکتا ہے۔ وہ ہمیں یہ بھی

بتا تا ہے کہ خبر کے بہترین اجزائے ترکیبی کیا ہوں گے، یعنی یہ کہ حقائق، اعداد و شمار، حوالے کی گفتگو، کسی وقوع کی تفصیل اور پس منظر کے مواد کو آپس میں کسی تناسب کے ساتھ ملایا جائے کہ بہترین اور موثر ترین نتیجہ برآمد ہو۔ اسی طرح فنون لطیفہ پر اپنے باب میں مصنف ہمیں بتا تا ہے کہ وہ کون سے عنوانات ہیں جنہیں احاطہ تحریر میں لانا چاہیے۔ وہ کون سے اجزاء ہیں جن سے مل کر اچھی خبر بنتی ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لے صاحب تحریر کو اپنی تیاری کس طرح مکمل کرنی چاہیے۔ مصنف نے پاکستان اور امریکہ کے اخبارات اور مجلوں سے اس کی مثالیں پیش کی ہیں تا کہ مسائل اور متعلقہ نکات قاری کے ذہن نشین ہو جائیں، نیز عام غلطیوں اور اچھی رپورٹنگ کی نشان دہی بھی کی ہے۔

اس کتاب کا ایک اور امتیازی پہلو یہ ہے کہ گریجوایشن کرنے والے طلبہ کے لیے ان کی علمی اور ذہنی سطح کے مطابق جملہ موضوعات پر بحث کی گئی ہے، نیز زبان بھی انہی کے فہم کے مطابق سادہ ہے اور آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ کتاب لائق مطالعہ، مفید اور دلچسپ ہے۔

فرینک جوسی نے وسکونسن یونیورسٹی سے تاریخ اور صحافت کے مضامین میں ڈگری حاصل کی۔ قبل ازیں وہ جارجیہ کے اک قصباتی اخبار میں آٹھ سال تک رپورٹر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ انہوں نے تین مطبوعات کی تدوین میں معاون کا فریضہ بھی انجام دیا اور کالم نگار جیک اینڈرسن کے سنڈیکیٹڈ کالم میں ان کی معاونت کرتے رہے۔ ان کی مطبوعات میں تقریباً پچاس مضامین شامل ہیں جو امریکہ میں اور امریکہ سے باہر کے ممالک میں بھی کثیر الاشاعت قومی روزناموں اور علاقائی نوعیت کے مجلوں میں شائع ہوئے۔ 89-1988ء کے دوران انہوں نے فل برائٹ اسکالر کے طور پر پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ ابلاغ عامہ میں تین ماہ تک تدریس کا فریضہ انجام دیا، پھر افغان میڈیا ریسورس سینٹر پشاور میں ایڈوائزر کے طور پر مصروف کار رہے۔ اس سنٹر میں انہوں نے طلبہ کو درس دیا، مسودوں کی درستگی کرتے رہے، خود بھی مسودے تحریر کیے اور تجاویز مرتب کیں۔ علاوہ ازیں وہ پشاور کی انٹرنیشنل رسکیو کمیٹی میں کبھی کبھار صحافت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

جیسا کہ ظاہر ہے، فرینک جوسی کو اپنے پیشے میں مہارت حاصل ہے، وہ پاکستان

میں صحافت کے طلبا کی نصابی ضرورتوں کو سمجھتے ہیں۔ نہ صرف طلبہ بلکہ صحافت کے پیشے میں سرگرم کار صحافی بھی اس کتاب کو اپنے لیے مفید اور عملی اعتبار سے کار آمد پائیں۔

O

شریف المجاہد کے بارے میں

پروفیسر شریف المجاہد نے جامعہ کراچی میں شعبہ صحافت قائم کیا اور سترہ سال تک اس کے سربراہ رہے۔ انہوں نے قائداعظم اکیڈیمی کی بھی بنیاد رکھی اور تیرہ سال تک اس کے سربراہ رہے۔ انہوں ے انسائیکلو پیڈیا جرنل کے لیے متعدد مضامین قلم بند کئے اس کے علاوہ وہ کئی اور کتابوں کے مصنف بھی ہیں، اور یونیسکو کی زیر ترتیب کتاب تاریخ انسانی (History of Mankind) کے ادارتی بورڈ کے رکن ہیں۔

1

خبر کیا ہے؟

خبر کیا ہے؟ یہ نہ صرف مشکل بلکہ اذیت ناک حد تک مشکل سوال ہے۔ یہ کچھ ایسا ہی ہے، جیسے کوئی سوال کرے کہ ''زندگی کسے کہتے ہیں؟'' اس طرح کی تعریفیں آسان نہیں ہوتیں کیونکہ ہر مطبوعہ مواد میں خبر کا اپنا مفہوم شامل ہوتا ہے۔ ایک عام روزنامے میں موٹر گاڑی کے ایک نئی طرح کے ٹائر کی اطلاع شاید خبر نہ ہو، لیکن یہی اطلاع گاڑیوں سے متعلق کسی رسالے میں سرورق پر شائع ہوسکتی ہے۔ اس پر ممکن ہے کوئی یہ بھی کہے کہ خبر کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ تو ابلاغ کا ذریعہ کرتا ہے۔ جس کے بارے میں وہ کہہ دے کہ خبر ہے، بس وہ خبر ہے۔ یقیناً یہ بات درست ہوگی، چنانچہ جنسی اسکینڈل، جن سے اخبار کے کسی قاری کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، اخبار کے پہلے صفحے پر بطور خبر شائع ہوتے ہیں۔ ابلاغ کا ذریعہ انہی خبر بنا دیتا ہے۔

عام طباعتی ذرائع ابلاغ اور ٹیلیویژن عام طور پر اس بارے میں متفق ہوتے ہیں کہ وہ کون سا مواد ہے جس کی تشہیر ضروری ہے۔ خبر کے بارے میں فیصلے کا ایک پیمانہ یہ بھی ہے کہ جو وقوعہ رونما ہوا وہ کتنا قریبی ہے، دوسرے اس میں کتنی توانائی (یا اثر انگیزی) ہے۔ مثال کے طور پر آتش زدگی کے ایک حادثے کے نتیجے میں چھ افراد کی ہلاکت اگر کسی اخبار کے حلقہ اشاعت میں ہوتی ہے، تو یہ حادثہ پہلے صفحے کی خبر بن جائے گا۔ لیکن آتش زدگی کا یہی واقعہ اگر کئی سو میل دور رونما ہو تو اخبار میں اس کی خبر چند پیراگراف میں دے دی جائے گی۔ اگر وہ واقعہ قومی اہمیت کا ہو، جس طرح کہ 1989ء میں اسلام آباد میں سلمان رشدی کے خلاف مظاہرے ہوئے اور جس میں سات افراد جاں بحق ہو گئے تو اس

خبر کو سبھی اخبار اپنے صفحہ اول پر نمایاں طریقے سے دیں گے۔

خبر کی تعریف وقت کی ماورائیت سے بھی ہوتی ہے۔ وہ تقریر جو گزشتہ ہفتے ہوئی، خبر نہیں ہے، البتہ مقرر نے اگر دوران تقریر کسی سیاسی حریف کے خلاف بعض ناقابل یقین نوعیت کے الزامات عائد کئے اور انہیں رپورٹ نہیں کیا گیا تو یقیناً وہ خبر ہے۔ جو کچھ آج کہا گیا وہ خبر ہے۔ لیکن تین ہفتے گزرنے کے بعد وہ بیان خبر نہیں رہے گا، کیونکہ اس وقت تک صورت حال بدل چکی ہوگی۔ خبر تیزی سے اپنا رخ بدلتی ہے۔ اخبارات جو وقت کی پیدا کردہ مجبوریوں کے پابند ہوتے ہیں، تقریباً ہمیشہ آج کی واردات کو آج ہی بیان کرتے ہیں، بصورت دیگر یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ حریف اخبارات انہیں شائع کر کے بازی لے جائیں۔ مجلّے اس سلسلے میں زیادہ آزاد ہوتے ہیں، لہٰذا وہ ایسے عنوانات کا انتخاب کر سکتے ہیں، جن کا ہر روز کی وارداتوں سے کچھ زیادہ شرح وسط سے بیان کر سکتا ہے، لیکن اخبار کے لیے یہ ممکن نہیں۔ اگر وہ کسی واقعے کو پہلی بار بیان کر رہا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسے جلد از جلد بیان کر دے۔ اگر افغانستان میں لڑائی کل ہی بند ہو رہی ہو تو کوئی اخبار یہ نہیں کر سکتا کہ مزید اطلاعات کے لیے دوسرے روز تک انتظار کرے یا کوئی رپورٹر اس کے آئندہ امکانات پر قیاس آرائی کرے۔ اس کی خبریں تو بعد میں بھی آ سکتی ہیں۔

خبر کیا ہے؟ جو بااثر ہیں، وہ خبر ہیں۔ مثلاً وزیراعظم ایک تقریر کرتے ہیں تو یقیناً وہ خبر ہے۔ اگر گاؤں سے آنے والا قومی اسمبلی کا کوئی رکن ایک بیان جاری کرتا ہے تو اسے غالباً اخبار کے صفحہ 6 پر بائیں جانب نیچے کے ایک کونے میں جگہ مل جائے گی، لیکن کوئی بااثر شخص یا کسی نوع کی کمیٹی یا کوئی ملک کسی اہم فیصلے کا اعلان کرتا ہے تو یقیناً وہ ایک خبر ہوگی۔ البانیہ میں کیا ہو رہا ہے، یہ بات صرف وہاں کے رہنے والوں کے لیے اہم ہوگی، لیکن امریکہ کا کوئی اہم عہدیدار اگر بیان جاری کرتا ہے تو دنیا کے بڑے بڑے اخبارات اس کی بات کو غور سے سنیں گے۔

سیاست دان بھی خبر کہلاتے ہیں۔ پاکستان اور دوسرے ملکوں میں بھی خبر کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ سیاست ہوتی ہے ایک ایڈیٹر نے ایک بار مجھ سے کہا کہ زندگی کا ہر معاملہ سیاست تک جا پہنچتا ہے۔ یہ ایک بڑا دعویٰ ہے، لیکن ہے بالکل درست، یہاں اپنے

ملک میں اخبارات کے صفحہ اول پر نظر ڈالتے، 90 فیصد مواد ملکی اور بین الاقوامی سیاست سے متعلق ہوگا۔ باقی چھوٹے چھوٹے اشتہارات ہوں گے، کوپیئر اور فیکس مشینوں کے اشتہارات۔ پاکستان بدرجہ اتم ایک سیاسی ملک ہے، جہاں سیاست دان بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، جو بیانات اور جوابی بیانات، اعلانات اور تقریریں جاری کرتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے دورے ہیں اور پارلیمانی فیصلے ہیں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہوگا جب کم از کم ایک سیاست دان اس مفہوم کا اعلان نہ کرتا ہو کہ اس نے عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لیے اپنے مقصد کا تعین کرلیا ہے۔

پھر حکومت بھی خبر ہے۔ اگر ایک سڑک تعمیر کی جاتی ہے۔ کسی تعمیراتی منصوبے کا آغاز ہوتا ہے یا کوئی نیا ٹیکس لگایا جاتا ہے تو قارئین کو اس کا علم ہونا چاہئے۔ حکومت کس سمت میں جارہی ہے، جمہوریت میں اس کا شعور و ادراک عام لوگوں کو بہر طور ہونا ہی چاہیے۔ چونکہ عام لوگوں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ بجٹ کے اجلاسوں میں خود شریک ہوں اور ان میں ہونے والی تقریروں کو سنیں لہٰذا یہ ذمہ داری اخبار نویسوں پر عائد ہوتی ہے کہ ان کی تفصیلات بے کم و کاست، اپنے قارئین کو فراہم کریں۔ خبروں پر مبنی مضامین میں جو اطلاعات فراہم کی جائیں گی، وہ انتخابات کے موقع پر قارئین کے لیے مفید ہوں گی اور ان کے لیے مقتدر افراد کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہوگا۔

جرم بھی خبر ہے۔ یہ تقریباً ہر فرد کی زندگی پر کسی نہ کسی طور اثر انداز ہوتی ہے۔ سندھ کی نسلی اور لسانی شورش، جس کے نتیجے میں ہر ماہ درجنوں افراد جاں بحق ہوتے آئے ہیں، ایک مسلسل خبر ہے۔ اندرون شہر پشاور میں گاڑیوں کے اندر بم کے دھماکے ہوئے، جن میں بہت سے لوگ ہلاک یا جسمانی اعضاء سے محروم ہو گئے یہ بھی صفحہ اول کی خبریں ہیں اور یہ بھی عجب ستم ظریفی ہے کہ پاکستان میں جب کوئی جرم بہت ہی بھیانک اور کوئی حادثہ بہت ہی خوفناک ہو، اس کے بعد ہی ایڈیٹر فیصلہ کرتا ہے کہ اسے کہاں اور کتنی جگہ ملنی چاہئے۔ ایک بس کے حادثے میں 24 افراد ہلاک ہو جاتے ہیں، دو خاندانوں کی قبائلی لڑائی میں 6 افراد قتل کر دیئے جاتے ہیں، سیلاب کا ایک ریلا آتا ہے اور 42 گھر پانی میں بہہ جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر خبر تین تین پیراگراف کی ہے۔ لیکن ایک قومی

سیاست دان، افلاس کے خاتمے کی ضرورت پر ایک بیان جاری کرتا ہے تو باوجود یہ کہ اس مسئلہ پر یہ اس کی 21 ویں تقریر ہے، اخبار میں تقریباً ہمیشہ اسے ایک بڑی خبر کے طور پر شائع کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہاں ہمارے ملک پاکستان میں جرائم کی خبروں کو زیادہ اہمیت دی جانی چاہئے، کیونکہ ایسی خبروں کی اشاعت سے معاشرے کے بگاڑ کا اندازہ اوراصلاح کی ضرورت کا احساس بیدار ہوتا ہے۔

زندہ انسان بھی خبر ہوتے ہیں، جن لوگوں کو مختلف قومی معاملات سے سابقہ پڑتا ہے اور جو لوگ نئے نئے منصوبوں پر کام کرتے ہوتے ہیں، ان سے متعلق انسانی دلچسپی کی باتیں، کسی اچھے فیچر اور خبروں کا مواد فراہم کرتی ہیں۔ یہ معروف افراد اور عام لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو ممکن ہے کوئی نہایت دلچسپ کام کر رہے ہوں۔ ان ناداروں کی امداد سے لے کر ایک نئے سوشل کلب کے اجراء تک کوئی بھی کام ہوسکتا ہے۔ خبر کا مفہوم محض سیاست نہیں ہے۔ حالانکہ پاکستان میں زیادہ توجہ سیاست پر ہی مرکوز ہوتی ہے۔ اخباروں کے لئے تعلیم کا شعبہ ایک وسیع میدان ہوسکتا ہے، کیونکہ بے شمار لوگوں کے بچے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں۔ ملک میں کسی یونیورسٹی کیمپس کا فی زمانہ کھلا رہنا بجائے خود ایک خبر ہے۔ عدالتوں میں، بالخصوص سپریم کورٹ میں کیا ہو رہا ہے، اس کے فیصلوں کا اثر لامحالہ شہریوں پر مرتب ہوگا۔ مزدوروں سے بیگار لینے کے قضیئے پر جو فیصلہ ہوگا، اس کے اثرات، سارے ملک کے کاروبار پر رونما ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کے فیصلوں میں انسانی حقوق کے معاملات بھی آ جاتے ہیں۔

مغربی ممالک میں ماحولیات ایک خاصا حساس موضوع بن کر سامنے آیا ہے۔ چنانچہ اخبارات ہر روز اس بارے میں مواد شائع کرتے ہیں۔ اس موضوع سے قارئین کی دلچسپی چونکہ بڑھتی جارہی ہے، اس لئے ایڈیٹر صاحبان نے اپنے اخباروں میں اس موضوع سے متعلق زیادہ جگہ مقرر کردی ہے اور اس بارے میں خبریں لانے کے لئے زیادہ تعداد میں رپورٹر لگادیئے ہیں۔ پاکستان میں 80-1970ء کے عشرے سے تجارتی خبریں زیادہ پسند کی جانے لگی ہیں اور ان سے لوگوں کی دلچسپی بڑھتی آئی ہے۔ اب کرۂ ارض کے مسائل اور کاروباری معاملات میں عام قاری کا تجسس اور تعلق اتنا بڑھ گیا ہے اور برابر

بڑھتا جا رہا ہے کہ سیاست اس کی دلچسپی کا واحد مرکز نہیں رہی جس طرح اب سے پہلے عام قارئین کا مرکز توجہ تمام تر سیاست ہوئی تھی۔

کھیل اور تفریحات حتیٰ کہ جنس ایسے موضوعات ہیں جن پر کسی کو حقیقتاً کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن بہت سے قارئین ان میں سے کسی نہ کسی موضوع کو مطالعہ کے لیے دلچسپ پاتے ہیں، اور ان میں ایک خاص کشش محسوس کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ عمران خان ہندوستان کی کرکٹ ٹیم کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں یا کون سی اداکارائیں فلم میں اپنے کام کا سب سے زیادہ معاوضہ وصول کر رہی ہیں، اسی طرح کسی کو بھلا اس بات سے کیا غرض کہ ہندوستانی نژاد حسینہ پمیلا بورڈس کن برطانوی مردوں کے ساتھ معاشقے میں ملوث رہی، لیکن پھر بھی ایسی خبریں ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں، اخبارات اور مجلّے کاروبار میں اس لیے ہیں کہ اپنے اخبارات اور مجلّے فروخت کریں، لہٰذا انہیں اپنے صفحات میں تھوڑا سا چٹخارہ جنس کا اور کچھ ذائقہ کھیلوں کا شامل کرنا پڑتا ہے، اس پر کسی کو برا ماننے کی ضرورت نہیں۔ دراصل یہ موضوعات کسی بھی اچھے اخبار کے ضروری اجزاء شمار ہوتے ہیں۔ تمام تر سیاست، عالمی امور، سماجی مسائل اور انتہائی سنجیدہ موضوعات پر پڑھنے سے جو اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے، ایسی ہی خبریں درمیان آ کر یہ اکتاہٹ دور کر دیتی ہیں۔ اچھے اخباروں میں کھیلوں کے صفحات پر نہایت دلچسپ تحریریں شائع ہوتی ہیں۔ اسی طرح فنون لطیفہ، تفریحات اور فیچر کے صفحات پر نہایت دلچسپ تحریریں شائع ہوئی ہیں۔ اسکواش کے بارے میں جہانگیر خاں جو کچھ کہتے ہیں، ممکن ہے وہ بات اخبار کے وسیع تر منصوبے میں اتنی اہم نہ ہو جتنا وزیراعظم کا یہ بیان کہ خلیج کے بارے میں پاکستان کا آئندہ لائحہ عمل کیا ہوگا، لیکن اس میں کیا شک ہے کہ بہت سے لوگ جہانگیر کے بیان میں بھی اسی قدر سنسنی خیزی محسوس کریں گے، جتنی وزیراعظم کے بیان میں دوسرے لوگ محسوس کرتے ہیں۔

خبر وہی ہے جس کے بارے میں اخبارات فیصلہ کریں کہ یہ خبر ہے۔ لیکن عام طور پر پاکستان میں زیادہ تر خبروں کا سرچشمہ (علی الترتیب) سیاست، حکومت، تعلیم، ماحولیات، جرائم، عدالتیں، کھیل اور تفریحات ہیں۔ خبر وہ ہے کہ شہر میں یا ملک میں جو کچھ

ہو رہا ہے، قارئین جس کے اندر سانس لے رہے ہوں۔ خبر عام طور پر مقتدر اور بااثر، طاقت ور اور مشہور لوگوں کے وسیلے سے اور المیہ واقعات یا مضحکہ خیز صورت حال کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

خبر نویسی

پرانے شہر میں فساد پھوٹ پڑتا ہے۔ دو مرد اور ایک لڑکا تین افراد ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وزیراعظم، تاجروں کے ظہرانے سے خطاب کرتے ہیں۔ ایک ڈاکو بینک سے 3 کروڑ 40 لاکھ روپے لوٹ کر لے جاتا ہے۔ سیلاب آتا ہے اور دو گاؤں بہہ جاتے ہیں۔ ایک پاکستانی باشندے کو عالمی ایوارڈ ملتا ہے۔ کشیدگی کی وجہ سے چار یونیورسٹیاں بند ہو جاتی ہیں۔ یہ وہ خبریں ہیں جو پاکستان میں ہر روز رپورٹر کو درپیش ہوتی ہیں، اس طرح اسے پیچیدہ مسائل کو چیلنج کے طور پر قبول کرنا اور منضبط انداز سے بیان کرنا پڑتا ہے، جس میں تحریر کا ایسا اسلوب اختیار کرنا ضروری ہے جو بالکل واضح ہو اور لکھی ہوئی خبر کو اگر ایک بچہ بھی پڑھ لے تو آسانی سے اس کی سمجھ میں آجائے۔ مثالی بات تو یہ ہوگی کہ تمام خبریں، رونما ہونے والے واقعات کو بے تعصب اور متوازن طور پر ایسے دلنشین انداز میں پیش کریں کہ نہ تو ان میں رائے زنی شامل ہو اور نہ عبارت طول کلام سے بوجھل ہو۔ بس ایسا ہونا چاہیے کہ قارئین، اخبار کی خبر کو تیزی سے پڑھ لیں اور اس میں جو مسائل پیش کئے گئے ہیں، انہیں سمجھ لیں تاکہ آئندہ سیاسی اور اقتصادی امور پر فیصلے کرنے میں ذہانت سے کام لے سکیں۔

خبریں فراہم کرنے کے طریقے:

رپورٹر جب کسی واقعے کو اپنے اخبار کے لیے قلم بند کرتا ہے تو پہلے اسے چند بنیادی آلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں ایک تو قلم ہے۔ دوسرا وہ پیڈ ہے، جس پر وہ لکھتا ہے۔ آپ کبھی حافظے پر انحصار نہ کیجئے۔ ایسا کرنے سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ کچھ ایسا لگتا ہے کہ پاکستانی صحافیوں میں اچھے خاصے رپورٹر خبریں لکھتے وقت تمام تر حافظے پر انحصار کرتے ہیں۔ امریکی حکومت کے ایک عہدیدار نے اسلام آباد میں ایک اخبار نویس کو بتایا کہ ایک پاکستانی صحافی نے ان کا انٹرویو لیا اور انٹرویو کے دوران میں نوٹس نہیں لیے،

نتیجہ یہ کہ جب وہ شائع ہوا تو اس میں بہت سے اعداد و شمار اور حوالے غلط تھے۔ اگر لکھے ہوئے نوٹس موجود ہوں تو صحافیوں کو یاد آ جاتا ہے کہ کسی خاص موقع پر کیا کہا گیا تھا اور کہنے والے نے کون سے الفاظ استعمال کئے تھے۔ کوئی رپورٹر، خاص طور پر وہ جو نا تجربہ کار ہو، اگر صرف اپنے حافظے پر انحصار کرتے ہیں تو حوالوں اور حقائق کے بیان میں اس سے یقینی طور پر غلطی ہوگی۔

رپورٹر کے پیش نظر دو مقاصد ہونے چاہئیں، ایک خبر کی صحت، دوسرے اس کی صراحت۔ خبر کے نادرست ہونے سے رپورٹر اور اس کے خبار دونوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ ایسے رپورٹروں کے ذرائع انہیں سامنے پا کر اپنا منہ بند رکھتے ہیں جو رپورٹر خبروں کے بیان میں ان کی صحت کا خیال نہیں رکھتے اور نادرست خبریں شائع کرتے ہیں۔ ایک بڑی خبر سرے سے خبر ہی نہیں جسے بری طرح مرتب کیا اور لکھا گیا ہو۔ رپورٹر کس بات کی وضاحت کرنا چاہتا ہے اگر یہ بات قاری کی سمجھ میں ہی نہیں آئے تو ایسی خبر لکھنے کا کیا فائدہ؟ پاکستانی اخبارات کو ایک مسئلہ خبروں کے بیان میں صراحت کا درپیش ہوتا ہے۔ فقرے مسلسل چلے آ رہے ہیں، تحریر گنجلک ہوتی جا رہی ہے اور غیر ضروری باتیں اس طرح پھیلتی جا رہی ہیں، جیسے باغیچے میں جھاڑ جھنکاڑ پھیل گیا ہو۔ خبر کی بنیادی ساخت اور اس کے بیان میں صراحت، انہی دو باتوں کے ہونے سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔

اور آخر میں یہ کہ کسی مسئلہ کے بارے میں اس کے ہر پہلو سے متعلق اطلاعات فراہم کرنا تاکہ توازن برقرار رہے، نہایت ضروری ہے۔ ایک دیانت دار رپورٹر ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ کسی مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر ڈالے اور جو بھی مواد اس بارے میں فراہم ہو، اسے اپنی خبر میں جگہ دے۔ اگر کوئی سنگین صورت حال درپیش ہو تو رپورٹر کو اسے لکھنے کے لیے احتجاج کرنے والوں کے الفاظ مل جائیں گے یا مثال کے طور پر سرکاری عہدیداروں اور طلبہ کے مختلف گروہوں اور دیگر احتجاجی مظاہرین کے اپنے الفاظ۔ انہیں خبر میں جگہ ملنی چاہیے۔ (مزید معلومات کے لیے ملاحظہ کیجئے، بیٹ رپورٹنگ (Beat Reporting)

خبر کیسے لکھی جائے:

میرے پاس چھ ایماندار ملازم ہیں
میں نے جو کچھ بھی سیکھا ہے انہی سے سیکھا ہے۔
ان کے نام ہیں۔ کیا، کیوں اور کب
کیسے، کہا اور کون؟
-رڈیرڈ کپلنگ

معکوس اہرام:

خبر اس طرح نہیں لکھتے جس طرح کوئی فیچر یا ناول لکھا جاتا ہے۔ خبروں کا ایک آزمودہ اور مسلم ڈھانچہ ہوتا ہے، تقریباً ہر خبر لکھتے وقت اس کی پابندی لازمی طور پر کی جانی چاہیے۔ بلند پایہ اور منجھے ہوئے اخبار نویس اپنے تجربے کی بنیاد پر مختلف اسلوب اور ڈھانچے وضع کر سکتے ہیں۔ لیکن انہیں بھی اپنی بیشتر خبروں کے لیے درج ذیل فارمولے پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

خبر کی روایتی ساخت کو اصطلاحاً ''معکوس یا الٹے اہرام'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس سے مراد کیا ہے؟ اطلاعات پر مبنی ایک اہرام کا تصور کیجیے جسے الٹ دیا گیا ہو، چنانچہ سب سے اہم اطلاع سب سے اوپر نظر آئے گی اور جو اہمیت کے لحاظ سے تدریجاً اوپر سے نیچے تک بیان ہوتے رہیں گے۔ یعنی جو بات نسبتاً زیادہ اہم ہوگی، اس کا بیان پہلے اور کم اہم باتوں کا تذکرہ اس کے بعد ہوگا۔

یہ طریق کار اختیار کرنے کے دو اسباب ہیں۔ مصروف قاری خبر میں اس کے نفس مضمون کو ابتدائی چند پیراگراف میں پڑھ لینا چاہیں گے تا کہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ اسے مزید پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ نیوز ایڈیٹر جسے اخبار کے صفحات میں جگہ کی تنگی کا مسئلہ درپیش رہتا ہے، سارے متن کو پڑھ کر اس میں مختلف مقامات پر کتر بیونت کرنے سے بچ جاتے ہیں اور انہیں مقررہ وقت کے اندر آخر کے چند پیراگراف کو قلم زد کر دینا آسان ہوتا ہے۔

خبر کی ''لیڈ'' (پہلا پیراگراف):

کسی بھی اخباری رپورٹ میں اس کی لیڈ یعنی پہلا پیراگراف انتہائی اہم ہوتا ہے۔ خواہ وہ خبر پر مبنی کوئی مضمون ہو یا فیچر ہو، اس کا ابتدائی پیراگراف انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی لیڈ یعنی پہلا پیراگراف اختصار کے ساتھ تقریباً ساری روداد بیان کر دیتا ہے اور پوری کہانی 'کون' کیا' کب' کہاں اور کیوں کے جواب لے کر چند سطروں میں سمٹ آتی ہے۔ اس پیراگراف میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ کیا واقعہ گزرا، اس میں کون لوگ شامل ہیں، جائے وقوع کہاں ہے اور اگر گنجائش باقی ہو تو یہ بات کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگر یہ ساری اطلاعات پہلے پیراگراف میں سمیٹی نہیں جا سکتیں تو کچھ تفصیلات کو دوسرے پیراگراف میں شامل کیا جا سکتا ہے، تاہم کچھ مشق کے ساتھ جن چھ سوالیہ ''ک'' کا ہم نے اوپر ذکر کیا ان میں سے بیشتر کے جواب کو پہلے پیراگراف میں شامل کرنا ممکن ہے۔

''لیڈ'' کا تعین:

نوجوان صحافیوں کو بعض اوقات یہ فیصلہ کرنے میں دشواری ہوتی ہے کہ کس خبر کو اخبار کی ''لیڈ'' بنایا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اجلاس میں شرکت کریں جہاں کوئی پارلیمانی تنظیم متعدد قرار دادیں منظور کرے۔ لیکن انہیں بالکل یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ان میں اہم ترین قرارداد کون سی ہے۔ یا بالفرض وہ کسی ایسے مذاکرے میں شریک ہوں جہاں مقرر نہایت متنوع موضوعات پر گفتگو کرتا ہے، لیکن کوئی ایک موضوع اس کی خصوصی توجہ کا مرکز نہیں ہوتا۔

جب کوئی سیاست دان یا کوئی تنظیم کسی ایک موضوع پر اہم نوعیت کا اعلان کرے تو 'لیڈ'' کا تعین کرنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ اگر وزیراعظم اپنی پریس کانفرنس میں کسی نئے پروگرام کا اعلان کرتے ہیں تو یہ پروگرام ہی اخبار کی ''لیڈ'' بنے گا، لیکن قومی اسمبلی کی روداد کے بارے میں آپ کیا کہیں گے، کیونکہ ایک ہی دن کے اجلاس میں بہت سے اقدامات کئے جا سکتے ہیں۔

''لیڈ'' کا تعین کرنے کے کچھ رہنما اصول ہیں۔ کیا خبر میں کوئی موضوع ہے؟

اگر ہے اور کوئی شخص اس سے متعلق کچھ نکات پیش کرتا ہے تو رپورٹر اس کو ''لیڈ'' بنا سکتا ہے۔ افغان جنگ کی خبر اس سلسلے میں بطور مثال پیش کی جا سکتی ہے اگر کسی منصوبے پر زر کثیر صرف کیا جا رہا ہو یا کسی نئے منصوبے پر کام شروع کیا جا رہا ہو تو رپورٹر کو ''لیڈ'' کے لیے اس پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ دنیا پیسے کے گرد گھومتی ہے اور جب ایسے منصوبوں پر رقم صرف کی جا رہی ہو، جو عام لوگوں کی زندگی پر انداز ہو رہے ہوں تو اس کی خبر یقیناً ایک اچھی ''لیڈ'' بنے گی۔

اگر کوئی مقرر نہایت متنوع اور وسیع موضوعات پر گفتگو کر رہا ہو تو ان میں سے دو یا تین موضوعات پر جو خبروں میں نمایاں ہوں، اپنی توجہ مرکوز کیجیے۔ اگر متنوع موضوعات پر بہت سے مقرر تقریر کر رہے ہوں تو ان میں سے اس موضوع کو منتخب کر لیجیے جسے آپ کے اندازے کے مطابق قارئین سب سے زیادہ قابل توجہ سمجھیں گے۔

پریس کانفرنس وہ جگہ ہے، جہاں عام طور پر بہت سے موضوعات بیک وقت زیر بحث آتے ہیں، جب ایسا ہو تو رپورٹر کو یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اس میں کسی نکتے کو ''لیڈ'' کی خبر بنایا جائے۔ اگر وزیراعظم خلیج کے بحران میں پاکستان کے ملوث ہونے کے متعلق سوالوں کے مفصل جواب دیتے ہیں تو ممکن ہے کہ یہی خبر لیڈ بن جائے۔ اگر اس مسئلہ پر وہ اپنا موقف تبدیل کر دیتے ہیں تو یہ اطلاع بھی ''لیڈ'' بن سکتی ہے۔ جب بھی کوئی سیاست دان کسی مسئلہ پر نیا موقف اختیار کرتا ہے یا اپنی راہ عمل تبدیل کرتا ہے تو یہ بات ایک خبر بن جاتی ہے۔

اگر کسی خوفناک تباہی کی خبر کو ''لیڈ'' بنایا جا رہا ہو تو یہ ضروری ہے کہ ہلاک شدگان کی تعداد، ہونے والے نقصان کے تخمینے اور حادثے کے مقام کو نمایاں طور سے پیش کیا جائے۔ موت بھی ایک خبر ہے۔ تباہی اور بربادی کا رونما ہونا بھی ایک خبر ہے۔ دوسری خبریں جن میں وقت کا عنصر شامل نہیں اور جن کا تعلق مسائل سے ہو، ان میں بھی خبریت یعنی تازگی کا عنصر موجود ہونا ضروری ہے۔ اب اگر بھارت نے گزشتہ چند ہفتوں کے دوران میں سرحدوں پر بار بار پیش قدمی کی ہو، تو اس خبر کو لیڈ بناتے وقت پوری صورت حال کی نشاندہی اور کم سے کم الفاظ میں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔

ایسی خبریں پڑھتے وقت جن کا تعلق کسی فوری وقوعے سے نہیں، قارئین پہلے ہی پیراگراف میں یہ جاننا چاہیں گے کہ کون سی صورت حال کیوں اور کسی طور پر رونما ہو رہی ہے۔

چند مثالیں:

سری لنکا 1988ء میں باغیوں اور سرکاری فوجوں کے درمیان میدان کارزار بن گیا۔ سرکار فوجوں کو بھارتی حکومت سے مدد مل رہی تھی۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس نے ایک خونی دن کی روداد ان الفاظ میں بیان کی:

> ''پولیس کے ذرائع کے مطابق سری لنکا میں تشدد کی مسلسل وارداتوں کے نتیجے میں ہفتے کے روز 46افراد ہلاک ہو گئے۔ ہلاک شدگان میں سنہالی باغیوں کی تعداد 16 تھی۔ یہ المیہ تیس گھنٹوں کے دوران پیش آیا۔''

مذکورہ خبر سے قارئین کو یہ معلوم ہو گیا کہ عام لوگوں اور دہشت گردوں کی ہلاکت بلحاظ تعداد تھی، حادثے کے دورانیئے کا بھی علم ہو گیا، یعنی تیس گھنٹے۔ حادثہ کہاں پیش آیا؟ سری لنکا میں اور خبر کا ذریعہ کیا ہے؟ پولیس۔ ''مسلسل وارداتوں'' کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خون ریزی کا یہ سلسلہ کچھ عرصے سے جاری ہے۔

ایک اور خبر ملاحظہ ہو:

''نئی دہلی 11 دسمبر۔ بھارت میں مسلم کش فسادات برابر جاری ہیں اور اب تک 350 کے قریب مسلمان شہید کر دیئے گئے ہیں۔ جنوبی بھارت کے شہر حیدر آباد میں پچھلے پانچ روز میں مسلم کش فسادات میں شہید ہونے والوں کی تعداد ایک سو سے تجاوز کر گئی ہے۔ ہیلی کاپٹروں کے ذریعے فساد زدہ علاقوں کی نگرانی کی جا رہی ہے۔

(نوائے وقت 12 دسمبر 1990)

خبر کی اس لیڈ سے معلوم ہو گیا کہ فسادات کی نوعیت کیا ہے، دورانیہ کیا ہے (یعنی پانچ دن بلکہ اس سے بھی پہلے سے)، ہلاک شدگان کی تعداد (شمالی ہند میں 350 اور حیدر آباد میں ایک سو سے زائد)، اور انتظامیہ کی تدبیر (یعنی متاثرہ علاقے کی نگرانی)

لیڈ کی عبارت میں نپے تلے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ یہ عبارت موثر اور بھر

پور ہوتی ہے۔ مثالی لیڈ کی تعریف یہ ہے کہ ایک فقرے میں ختم ہو جائے، ایک صاف، صریح اور سلیس فقرہ جس میں تمام اصل حقائق سمو دیئے گئے ہوں۔ البتہ جہاں ضروری ہو، وہاں رپورٹر ایک فقرے کو توڑ کر اسے دو فقروں میں تقسیم کر سکتا ہے۔ اگر کسی تباہ کن حادثے کی لیڈ ہو، جیسا کہ مثال کے طور پر دو خبریں پیش کی جا چکی ہیں تو رپورٹر مرنے والوں کی تعداد کو ابتدا میں ہی بیان کر دیتا ہے۔ کیونکہ بیشتر قارئین کو اس سے براہ راست دلچسپی ہوتی ہے۔ اگر مجاز حکام نے نقصانات کا کوئی تخمینہ بتایا ہو تو اسے لیڈ میں شامل کرنے سے لوگوں کو سیلاب کی تباہ کاری، تشدد کی ہولناکی یا آفات ارضی کی شدت کا قدرے اندازہ ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ معلومات کو جن کی نوعیت بنیادی ہوتی ہے۔ لیڈ کے ایک ہی فقرے میں سمو لینا مہارت کا کام ہے، ورنہ عام طور پر فقرے کی طوالت، عبارت کو گنجلک اور بوجھل بنا دیتی ہے۔، جب عبارت میں یہ سقم موجود ہو تو مناسب یہی ہو گا کہ ایک فقرے کو دو یا تین فقروں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے، تاکہ عبارت سہل اور رواں ہو جائے۔ مثال کے طور پر ایک اخبار کی یہ خبر ملاحظہ کیجئے:

''اسلام آباد13 دسمبر- کابینہ کی اقتصادی کمیٹی نے، جس کا اجلاس آج وفاقی وزیر خزانہ و اقتصادی امور مسٹر سرتاج عزیز کی صدارت میں ہوا، خوردہ پیکنگ میں درآمد کی جانے والی جراثیم کش ادویہ پر سے ریگولیٹری ڈیوٹی 60 فیصد سے کم کر کے 30 فیصد کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ مقامی پیکنگ انڈسٹری کی حوصلہ افزائی کی جا سکے۔''

خبر کے بنیادی نکات اس فقرے میں آ گئے ہیں، تاہم عبارت کی طوالت بوجھل محسوس ہوتی ہے۔ اب آپ اس عبارت کو دو فقروں میں تقسیم کر کے دیکھئے۔ یقیناً فرق محسوس ہو گا۔

''اسلام آباد-13 دسمبر- حکومت نے خوردہ پیکنگ میں درآمد کی جانے والی جراثیم کش ادویہ پر سے ریگولیٹری ڈیوٹی 60 فیصد سے کم کر کے 30 فیصد کر دی ہے۔ کابینہ کی اقتصادی کمیٹی نے یہ فیصلہ آج یہاں وفاقی وزیر خزانہ و اقتصادی امور مسٹر سرتاج عزیز کی زیر صدارت، پیکنگ کی مقامی صنعت کی حوصلہ افزائی کے لئے کیا۔''

بہت سی معلومات کو ایک ہی فقرے میں سمیٹ لینے کی کوشش لیڈ کی عبارت کو

جس طرح طویل اور گنجلک بنا دیتی ہے، اس کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے:

''پاکستان عوامی اتحاد کے کنو یز اور جمعیت علمائے پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا ہے کہ ان کی جماعت کا پی پی پی اور آئی جے آئی کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں، تاہم انہوں نے بتایا کہ ان کی جماعت مستقبل کے لائحہ عمل کے برے میں ایک مثبت فیصلہ مرکزی مجلس عاملہ کے آئندہ اجلاس میں کرے گی۔''

یہ عبارت گنجلک ہے اور قاری کو کسی نتیجے تک پہنچنے نہیں دیتی۔ جمعیت کا پی پی پی۔ اور آئی جے آئی کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں، لیکن اس بات کا اس دعوے سے کیا تعلق کہ جمعیت کی مرکزی مجلس عاملہ آئندہ اجلاس میں مستقبل کے لائحہ عمل کا فیصلہ کرے گی؟

مذکورہ عبارت پر دوسرا اعتراض یہ آتا ہے کہ مولانا نورانی نے جو بیان جمعیت علمائے پاکستان کے سربراہ کی حیثیت سے جاری کیا، اس میں مولانا کی اسی حیثیت کا تذکرہ ہوتا تو کافی تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ پاکستان عوامی اتحاد کے کنو یز بھی ہیں، تو یہ بات متن میں آگے جا کر کی جا سکتی ہے۔

مذکورہ خبر میں دو فقروں کے درمیان تعلق واضح نہیں ہو سکا، لہٰذا مناسب یہی تھا کہ دونوں فقرے الگ الگ پیراگراف میں اس طرح لکھے جاتے:

''جمعیت علمائے پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا ہے کہ ان کی جماعت کا پاکستان پیپلز پارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد سے کوئی رابطہ نہیں۔

مولانا نے بتایا کہ ان کی جماعت مستقبل کے لائحہ عمل کے بارے میں اک مثبت فیصلہ مرکزی مجلس عاملہ کے آئندہ اجلاس میں کرے گی۔'' (لیڈ کی عبارت میں پی پی پی اور آئی جے آئی کی بجائے ہر دو پارٹیوں کے پورے نام پاکستان پیپلز پارٹی اور اسلامی جمہوری اتحاد لکھے جانے چاہئیں۔ ان ناموں کے مخفف بعد کی عبارت میں لکھے جا سکتے ہیں)

خبر کے لیے ضروری ہے کہ کسی تازہ واقعے پر مبنی ہو۔ اس کی عبارت صریح اور واضح ہو، گنجلک اور پہلودار نہ ہو، معروضی اور جذباتیت سے پاک ہو، اس کی ابتدائی سطور میں اہم نکات جو قاری کی فوری دلچسپی کے ہیں بخوبی آ جائیں، لیکن یہ نہ ہو کہ ایک ہی

فقرے میں تمام نکات کو سمو دینے کی کوشش، عبارت کی روانی کو متاثر کرے۔ ذیل میں چند خبریں، مختلف اخبارات سے نقل کی جاتی ہیں جن سے ہمارے بیان کو سمجھنے میں مدد ملے گی:

لاہور (نمائندہ خصوصی)۔ وفاقی وزیر داخلہ کو موصول ہونے والی خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹ میں بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے پاکستان میں تخریب کاری اور سیاسی بحران پیدا کرنے کے ایک خوفناک منصوبے کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ سندھ میں داخل ہو جانے والے تربیت یافتہ تخریب کاروں کے گروپوں و ماہ رواں میں دہشت گردی و تخریب کاری کی کارروائیوں کے لیے گرین سگنل دے دیا گیا ہے۔

(جنگ، لاہور۔ 15 دسمبر 1990ء)

O

حیدر آباد (نمائندہ خصوصی)۔ حیدر آباد ایوان تجارت وصنعت کے صدر یوسف سلیمان نے وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف کی نشری تقریر کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے ملک میں صنعتی ترقی و خوشحالی کے لیے اک سنگ میل قرار دیا ہے انہوں نے کہا کہ وفاقی حکومت نے میاں نواز شریف کی قیادت میں انتہائی جرات مندانہ اور دوررس اثرات کے حامل فیصلے کئے ہیں اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ جس نیک نیتی کے ساتھ یہ اقدامات وضع کئے گئے ہیں، اتنی ہی تن دہی اور بے غرضی کے ساتھ ان پر عمل درآمد کیا جائے (مشرق، کراچی۔ 12 دسمبر 1990ء)

O

فیصل آباد 15/دسمبر (نمائندہ خصوصی)۔ حکومت قومی کی بجائے بلدیاتی سیاست کو فروغ دے رہی ہے۔ بھارت سے معذرت خواہانہ رویہ قومی غیرت کے منافی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کی قومی اور بین الاقوامی پالیسیوں پر تنقید کرنے والے اب اپنے رویے سے شرمسار ہیں۔ ان خیالات کا اظہار پیپلز یوتھ آرگنائزیشن فیصل آباد کے صدر خاور جاوید رانا، پاکستان پیپلز پارٹی فیصل آباد کے سیکرٹری پولیٹیکل ایجوکیشن علی بشیر مجاہد اور پارٹی رہنما چودھری سلیمان طاہر نے پیپلز یوتھ آرگنائزیشن کے مرکزی دفتر میں پارٹی کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ (نوائے وقت، لاہور۔16/دسمبر 1990)

O

پہلی خبر کو ایک بار پڑھئے- خبر یہ ہے کہ سندھ میں بھارت کے تربیت یافتہ تخریب کار ماہ رواں میں دہشت گردی کرنے والے ہیں- وفاقی وزارت داخلہ کو اپنی خفیہ ایجنسیوں سے وہ رپورٹ مل گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ بھارت کی خفیہ ایجنسی ''را'' نے پاکستان میں تخریب کاری اور سیاسی بحران پیدا کرنے کا ایک خوفناک منصوبہ بنایا ہے- اصل خبر پہلے فقرے میں آ گئی- دوسرے فقرے سے خبر کا ذریعہ معلوم ہوگا اور مزید تفصیل بھی آ گئی- خبر کو گنجلک بنانے کے بجائے اسے سادہ اور کم سے کم الفاظ میں بیان کیا جانا چاہیے-

دوسری خبر میں کوئی بات صریح انداز میں سامنے نہیں آئی- میاں نواز شریف کی نشری تقریر میں وہ کون سا اہم نکتہ بیان کیا گیا تھا جس کا حوالہ دیتے ہوئے اسے صنعتی ترقی و خوشحالی کے لیے ایک سنگ میل قرار دیا گیا ہے؟ اس کے قطع نظر کہ محض ایک بیان یا تقریر خواہ وہ وزیراعظم کی ہی کیوں نہ ہو، صنعتی ترقی کے یے سنگ میل نہیں بن جاتی، پھر اس صورت میں بھی کہ ابھی اس پر ''تن دہی اور بے غرضی کے ساتھ عمل درآمد'' کا آغاز بھی نہیں ہوا! خبر نگار نے یہ نہیں بتایا کہ صدر ایوان تجارت وصنعت نے وہ بیان کب اور کس واقع پر جاری کیا- مزید کہ وہ ان کا بیان تھا یا کوئی تقریر تھی-

ایسی ''خبروں'' میں خبر نہیں ہوتی بلکہ ارباب اختیار کی خوشنودی حاصل کرنے کی خواہش اور پروپیگنڈے کے سوا کچھ نہیں ہوتا-

تیسری ''خبر'' بھی خبر کے عنصر سے خالی ہے- یوں تو بعض اوقات خبر گزشتہ روز کے کسی واقعے یا کسی اعلان کے بارے میں نہیں ہوتی بلکہ کسی ایسے مسئلہ یا ایسے مسائل پر مبنی ہوتی ہے، جو پہلے سے چلے آ رہے ہوں، لیکن خبر نگاری کے درمیان فرق کرنا لازم ہے- مذکورہ خبر کے ایک ہی پیراگراف میں تین سیاسی عہدیداروں کے تین الگ الگ بیانات آ گئے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس عہدیدار نے کیا بات کہی- اس خبر میں جگہ تاریخ اور موقع ومحل کی صراحت کے باوجود ایسے بیانات یکے بعد دیگرے پیش کر دیئے گئے ہیں، جن کے درمیان بظاہر کوئی ربط نہیں- قومی اور بلدیاتی سیاست، بھارت کے ساتھ معذرت خواہانہ رویہ، پیپلز پارٹی کی سابقہ حکومت کے ناقدوں کا اپنے رائے پر شرمسار ہونا، یہ ساری باتیں

وضاحت طلب ہیں اور سیاق وسباق کے بغیر ان سے کوئی واضح مفہوم نہیں نکلتا۔

خبر کا تعلق حال سے ہے' لیکن تیسری خبر میں' بلکہ غلط نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ باقی دو خبروں میں بھی وقت کی شدت اور اس کی فوری نوعیت کا عنصر شامل ہیں۔ فیصل آباد سے آنے والی خبر تو ایک تقریب کے حوالے سے ہے' لیکن پہلی اور تیسری خبر تو چند دنوں کے فرق کے ساتھ کسی بھی روز شائع ہوسکتی تھی۔ یہ خبریں تو ہیں لیکن روزانہ کی خبریں نہیں۔

بعض خبریں تجزیہ نگاری پر مبنی ہوتی ہیں۔ ایسی خبروں میں کسی سیاسی' سماجی یا اقتصادی صورت حال کا تجزیہ حالیہ دنوں کی خبروں کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ ان میں ''آج'' اور ''ابھی'' والی بات تو نہیں ہوتی' لیکن پھر بھی ان میں قارئین کی دلچسپی اور رہنمائی کا عنصر شامل ہوتا ہے مثلاً یہ خبر ملاحظہ کیجئے:

> ''واشنگٹن 15 دسمبر (مانیٹرنگ ڈیسک) ۔ وائس آف امریکہ نے آج مقبوضہ کشمیر میں گزشتہ ایک برس سے جاری تحریک آزادی اور حریت پسندوں کی سرگرمیوں اور کنٹرول لائن کی صورت حال کے بارے میں اپنے اسلام آباد کے نمائندے کی جائزہ رپورٹ میں بتایا ہے کہ پاکستان اور بھارت میں جب بھی داخلی بے چینی ہوتی ہے' دونوں کی حکومتیں اس کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالتی ہیں۔ پاکستان بموں کے دھاکوں کی ذمہ داری بھارتی انٹیلی جنس ایجنٹوں پر عائد کرتا ہے اور بھارت مقبوضہ کشمیر و پنجاب میں گڑ بڑ کا ذمہ دار پاکستان کو قرار دیتا ہے۔ پاکستان کی جانب سے کشمیری حریت پسندوں کی صرف اخلاقی اور سیاسی امداد کی فراہمی کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ پاکستان اس کی تردید کرتا ہے کہ وہ کشمیری حریت پسندوں کو اسلحہ و تربیت دیتا ہے۔''

خبر میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان سیاسی اور سفارتی تعلقات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ:

> ''دونوں ملکوں میں اگرچہ حکومتیں تبدیل ہوئیں' تاہم دونوں نے

خارجہ سیکرٹریوں کے مذاکرات جاری رکھنے کا عہد کیا ہے- تاہم ان مذاکرت سے کسی نتیجے کی توقع نہیں سوائے اس کے تعطل کو زندہ رکھا جائے-''

تجزیہ نگار نے آخر میں لکھا ہے-''اس بات کا امکان ہے کہ کشمیر کا تنازعہ کافی عرصے جاری رہے گا-''

(نوائے وقت'لاہور- 6 1دسمبر (1990)

متن:

لیڈ کے بعد خبر کا درمیانہ حصہ یا اس کا متن آتا ہے، جو خبر کی تفصیلات مہیا کرتا ہے، نیز مبصروں اور متعلقہ افراد کی گفتگو کے حوالے فراہم کرتا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تفصیلات اور حوالے کی بات چیت میں ربط اور ترتیب کیسے پیدا کی جائے تاکہ خبر میں تجسس اور اشتیاق کے عناصر پیدا ہوں، یعنی اسے پڑھنے کو جی چاہے۔تحریر مبہم اور گنجلک نہ ہو کہ ایک دو فقروں پر نظر ڈالنے کے بعد پڑھنے سے جی اچاٹ ہو جائے۔خبر لکھنے میں وہی اصول کارفرما ہوتے ہیں جو ممکن ہے ایک باورچی کھانے پکانے کے دوران اختیار کرتا ہو، یعنی یہ کہ ہانڈی میں سب مصالحے توازن اور اعتدال کے ساتھ ڈالے جائیں، کوئی مصالحہ مقررہ مقدار سے زیادہ اور دوسرا ضرورت سے کم نہ ڈالا جائے، ورنہ کھانا بدمزہ ہو جائے گا۔۔خبر میں حقائق ترتیب کے ساتھ اور تاریخ کے حوالے سے اس طرح درج کئے جائیں کہ اس میں ابہام پیدا نہ ہو اور قاری اسے پڑھنے کے بعد تشنگی محسوس نہ کرے۔ہمارے خبر نگار عام طور پر اس بات کا خیال نہیں رکھتے اور خبر کا پس منظر بیان کرنے میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔مثال کے طور پر پولیس نے ایک بنگلے پر چھاپہ مار کر ناجائز اسلحہ برآمد کر لیا۔ رپورٹر نے یہ خبر اخبار میں اشاعت کے لیے دے دی، لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ پولیس کی یہ کاروائی صوبے میں جرائم کے انسداد کے لیے اس کی ایک ہمہ گیر مہم کا حصہ ہے، جس کا آغاز وزیراعلیٰ کے اعلان کے بعد فلاں تاریخ کو ہوا، اور اب تک اس سلسلے میں جو اسلحہ برآمد کیا گیا ہے، ڈاکوؤں کے قبضے سے جو مال برآمد ہوا ہے اور جو گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں، ان کی یہ تفصیل ہے۔اسی طرح آٹھویں آئینی ترمیم کے بارے میں سیاسی رہنماؤں

، خاص طور پر حزب اختلاف کے قائدین کے لاتعداد بیانات شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن خبر نگار بالعموم سرسری طور پر بھی آٹھویں ترمیم کے بنیادی نکات سے اپنے قاری کو باخبر کرنا ضروری نہیں سمجھتے، اب ایک عام قاری جس نے آئین کا مطالعہ نہیں کیا اور جو ترمیم کی تفصیل سے لاعلم ہے، یہ کیسے معلوم کرے کہ آٹھویں ترمیم کیا ہے۔ وہ اخبار کے سرسری مطالعہ کے لیے بمشکل وقت نکالتا ہے اس کے پاس آئینی نکات پر علمی انداز سے غور کرنے کے لیے وقت کہاں ہوتا ہے۔

رپورٹر کو خبر لکھتے وقت اس کے بنیادی عناصر پر اپنی توجہ مرکوز کرنی ہوتی ہے، مثلاً خبر کے وہ تمام پہلو جن کا بیان ضروری ہے پھر یہ کہ ان کے درمیان تسلسل برقرار رکھنا ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی وقت کا خیال اور پھر اس بات کا لحاظ کہ اسے اخبار میں کتنی جگہ مل سکے گی۔ رپورٹر کو خبر لکھتے وقت سیدھے اور صریح فقرے استعمال کرنے چاہئیں۔ ہر فقرے کی ساخت اپنی طوالت کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے، لیکن اسے فالتو الفاظ سے پاک، واضح اور مختصر ہونا چاہیے۔ اہم نکات کی وضاحت کے لیے متن کے درمیان حوالے بھی دینے چاہئیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ ہر بات الگ پیراگراف میں لکھی جائے۔ بہت سی باتیں تسلسل کے ساتھ اگر ایک ہی پیراگراف میں درج کر دی جائیں تو اندیشہ ہے کہ عبارت گنجلک ہو جائے گی خبر میں اس کے تمام اجزاء کو باہم مربوط رکھنا ہوتا ہے، نہ یہ کہ کبھی ایک طرف لپک رہے ہیں اور کبھی دوسری طرف۔

خبر لکھتے وقت اس بات کا خیال رکھنا کہ کسی طرح کا تعصب درمیان نہ آنے پائے، بہت مشکل ہے۔ ایک رپورٹر کا مشاہدہ، اس کا مطالعہ، اس کا کردار اور ماحول کے اثرات یہ سب اس کے خیالات کی دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک یورپی یا امریکی رپورٹر جس نظر سے دنیا کو دیکھتا ہے، پاکستانی رپورٹر اس نظر سے نہیں دیکھتا۔ ایک امریکی صحافی کا قول ہے کہ ہم جس شے کو معروضی خبر نگار کا نام دیتے ہیں، حقیقت کی دنیا میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ آج تک کسی معروف رپورٹر نے ایسی کوئی خبر نہیں لکھی، جسے خالصتاً معروضی کہا جائے۔ آپ کو خبر میں ایک نقطہ نظر ملے گا۔ اگر کوئی رپورٹر محنت کے شعبے کی رپورٹنگ کر رہا ہو اور اس کی خبر ایک سیاسی خبر ہو تو اس میں مزدور یا آجر یا حکومت کے نقطہ

نظر سے ہمدردی اور جھکاؤ کا تاثر آ جائے گا۔

خبر کا عصبیت سے پاک ہونا یقیناً ایک مسئلہ ہے، یہ عصبیت بہت سی خبروں کے متن میں در آتی ہے۔ ایسا تو کوئی شخص نہ ہوگا جس کی اپنی کوئی رائے نہ ہو اور رپورٹر یہی کر سکتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کسی مسئلہ کے دونوں پہلوؤں کو اپنی خبر میں جگہ دے مثال کے طور پر اس کے لیے ایک آسان صورت یہ ہوگی کہ جب برسر اقتدار افراد کوئی بیان جاری کریں تو اس پر حزب اختلاف کے ارکان کا ردعمل بھی معلوم کر لیا جائے۔ ہمارے یہاں اخبارات کا ایک معمول یہ ہے کہ پہلے دن ایک بیان اور دوسرے دن جوابی بیان شائع کرتے ہیں۔ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ جس دن حزب اقتدار کا بیان موصول ہو، حزب اختلاف کا موقف بھی اسی روز معلوم کر لیا جائے۔ یہ التزام اور اس طرح کا تقابل ہر خبر میں برقرار رکھنا غالباً ضروری نہ ہو، لیکن ایسی خبریں جن کے سلسلے میں دونوں طرف سے تکرار چلی آ رہی ہو، ان کے ہر پہلو کو اخبار میں جگہ دینا ضروری ہوگا۔

حقائق، پس منظر حوالے:

حقائق، کسی خبر کو بنیاد مہیا کرتے ہیں۔ بے بنیاد خبر، حقائق سے خالی اور محض افواہ یا قیاس آرائی ہوتی ہے۔ حقائق کسی فریق کے الزامات کو وزنی بنا دیتے ہیں اور پھر دوسرے فریق کے لیے جواب دہی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی سیاست دان یا کسی شعبے کا ماہر ذاتی رائے دینے کی بجائے صرف حقائق کی نشاندہی کر دے تو اس کا موقف نہایت مضبوط ہو جاتا ہے۔ یہی بات ایک اخبار نویس کے سلسلے میں صادق آتی ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ انتظامی شعبے میں بدعنوانیاں بہت ہیں ایک بات ہوئی لیکن حقائق اور اعداد و شمار کی مدد سے کسی بدعنوانی کو ثابت کر دینا دوسری بات ہوئی۔ رپورٹر کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ہر خبر میں حقائق شامل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

اخبار میں بزنس کے مخصوص صفحات پر جو خبریں شائع ہوتی ہیں ان میں اعداد و شمار اور ہندسے بکثرت شامل ہوتے ہیں بہت سا کاروبار ہندسوں کے گرد گھومتا ہے لہٰذا معاشیات کے صفحات کو بغور دیکھ کر رپورٹر یہ قرینہ سیکھ سکتے ہیں کہ کسی خبر میں متن کی روانی کو متاثر کیے بغیر اعداد و شمار کس طرح شامل کیے جائیں:

''فیصل آباد۔ 14 دسمبر (پ پ ا) عالمی بنک پاکستان کو ملکی توانائی کے ترقیاتی منصوبے کے لیے 9 کروڑ ڈالر مہیا کرے گا۔ جو تیل و گیس کی ترقیاتی کارپوریشن اپنے منصوبوں میں استعمال کرے گی۔ باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ عالمی بنک 9 کروڑ ڈالر کے علاوہ شراکتی سرمایہ کاری کی شکل میں مزید 9 کروڑ ڈالر بھی مہیا کرے گا۔ منصوبے میں ڈھوڈک گیس فیلڈ کو ترقی دینا، دو کنووں کی کھدائی، ڈھوڈک سے کوٹ ادو ڈھوڈک میں اسٹوریج کی سہولتیں فراہم کرنا شامل ہے۔ منصوبے میں نو جاری مشترکہ منصوبہ، تیل و گیس کی تلاش میں تعاون، پوٹھوہار، زیریں سندھ، سانگھڑ اور دیگر علاقوں میں مستند تیل کمپنیوں اور تیل و گیس کی ترقیاتی کارپوریشن کے درمیان مشترکہ منصوبوں میں اعانت شامل ہے۔
(نوائے وقت کراچی 15/دسمبر 1990ء)

اس خبر میں عالمی بنک کی جانب سے امدادی رقوم کی فراہمی اور مختلف منصوبوں کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ ہر بات صریح اور واضح ہے اور کہیں ابہام پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح کی ایک اور خبر جو اسٹیل مل کی کارکردگی کو نمایاں کرتی ہے، بطور مثال پیش کی جاتی ہے:

''کراچی (اسٹاف رپورٹر)۔ سینیٹ کی مجلس قائمہ برائے پیداوار نے چیئر مین سینیٹر احمد میاں سومرو کی قیادت میں منگل کو پاکستان اسٹیل مل کا دورہ کر کے اپنا تفصیلی جائزاتی مرحلہ مکمل کر لیا ہے۔ اس موقع پر وفاقی وزیر پیداوار اسلام نبی بھی موجود تھے۔ پاکستان اسٹیل کے چیئر مین میجر جنرل شجاعت علی بخاری نے سینیٹ کے اراکین اور وفاقی وزیر پیداوار کو بلاسٹ فرنیس، کوک اوین پلانٹ، اسٹیل میکنگ کمپلیکس، ہاٹ رولنگ مل، بلٹ کاسٹر اور کولڈ رولنگ مل کا معائنہ کرایا اور ان کی پیداواری کارکردگی سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اس موقع پر بتایا کہ 90-1989ء میں پاکستان اسٹیل کی پیداوار صرف 60 فیصد تھی اور 95 کروڑ کا منافع ہوا تھا لیکن ستمبر 1990ء سے پیداوار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور گذشتہ ماہ نومبر 1990ء میں 82 فیصد پیداواری گنجائش پر 330ء75 پیداوار حاصل ہوئی تھی اور توقع ہے کہ رواں مالی سال کے اختتام پر 74 فیصد پیداوار حاصل ہوئی تھی اور توقع ہے کہ رواں مالی سال کے اختتام پر 74 فیصد پیداواری گنجائش پر 19 ارب 50 کروڑ روپے کی فروخت کا ہدف حاصل کر لیا جائے گا۔ سینیٹ کمیٹی کے اراکین اور

وفاقی وزیر پیداوار کو یہ بھی بتایا گیا کہ پاکستان اسٹیل کے فاضل پرزہ جات کی تقریباً 50 فیصد ضروریات ایک تہائی قیمت پر اب ملکی ذرائع سے ہی پوری کی جا رہی ہیں اور اس سلسلے میں اب تک مجموعی طور پر 2 ارب روپے کی بچت ہوئی ہے۔ پاکستان اسٹیل نے مختلف پرزوں اور آلات کی اب تک 5 ہزار ڈرائنگز تیار کی ہیں اور اس وقت تقریباً دو لاکھ پرزوں کی ڈرائنگز کمپیوٹرائزڈ ریورس انجینئرنگ کے ذریعے بنائی جا رہی ہیں اور توقع ہے کہ حالیہ تنصیب شدہ کمپیوٹرائزڈ ڈیزائننگ ڈیویلپمنٹ نظام کے تحت مزید ڈرائنگز تیار ہونے پر تقریباً 80 فیصد پرزے اور آلات مقامی طور پر تیار ہونے لگیں گے۔ (جنگ لاہور 19 دسمبر 1990)

اس خبر میں بھی اعداد و شمار کو اس قرینے سے پیش کیا گیا ہے کہ عبارت کی روانی متاثر نہیں ہوتی۔ نو آموز رپورٹروں کو چاہیے کہ معیشت اور صنعت و تجارت کے بارے میں خبروں کو پڑھتے وقت یہ نکتہ خاص طور پر پیش نگاہ رکھیں کہ ان میں اعداد و شمار کو جا بجا کس قرینے سے پیش کیا گیا ہے تحریر کا تسلسل برقرار رہتا ہے اور ہندسوں کا بار بار درمیان آنا بوجھل محسوس نہیں ہوتا۔

پس منظر:

ہمارے یہاں خبروں میں یہ کوتاہی اکثر محسوس کی گئی ہے کہ رپورٹر خبر کا پس منظر بیان نہیں کرتے، اور از خود یہ فرض کر لیتے ہیں کہ قارئین کو زیر بحث مسئلہ کے بارے میں پہلے ہی سے سب کچھ معلوم ہے۔ لہٰذا ان کی یاددہانی کے لیے مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک غلط مفروضہ ہے روزمرہ مسائل و واقعات پر مبنی خبریں فراہم کرنے والے رپورٹر اپنے فرائض کی انجام دہی میں بنیادی حقائق کو بھول جاتے ہیں۔ مثال کے طور پاکستان کے آئین کی آٹھویں ترمیم سے متعلق خبروں میں انہوں نے شاید ہی کبھی اس قانون کی وضاحت یا اسے بیان کرنے کی زحمت گوارا کی ہو۔ وہ فرض کر لیتے ہیں کہ آٹھویں ترمیم کا علم تو سبھی کو ہوگا۔

کسی خبر میں اگر کوئی مسئلہ زیر بحث آتا ہے اور عام قارئین ان سے واقف نہیں تو خبر نگار کو چاہیے کہ پس منظر کے حقائق چند سطروں میں بیان کر دے تا کہ خبر پوری طرح قارئین کی

سمجھ میں آ جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ پس منظر میں مسئلہ زیر بحث کی پوری تاریخ بیان کر دی جائے، البتہ اتنا بتا دینا کافی ہوگا جس کی مدد سے خبر کے پورے متن کو سمجھا جا سکے۔ البتہ خبر کے پس منظر سے جو لوگ آگاہ ہوتے ہیں وہ اسے نظرانداز کر کے آگے بڑھ سکتے ہیں۔

21/دسمبر 1990ء کو متعدد اردو اخبارات میں یہ چند خبریں اہتمام سے نمایاں طور پر شائع کی گئی ہیں: ''روس کے وزیر خارجہ شیوارڈ نادزے کا استعفیٰ'' ''ولر بیراج اور دیگر اختلافی امور پر پاکستان اور بھارت کے وزرائے خارجہ کی بات چیت'' ''قومی اسمبلی میں آئین کی آٹھویں ترمیم پر بحث۔'' یہ تمام خبریں تفصیل سے شائع ہوئی ہیں، لیکن ممتاز قومی اخبارات نے بھی یہ نہیں بتایا کہ شیوارڈ نادزے کا تقرر بطور وزیر خارجہ کب ہوا، اس سے پہلے وہ کس منصب پر فائز تھے اور ان کے زمانے میں کون سے اہم اور دور رس نوعیت کے فیصلے ہوئے۔ اخبار نویس کو اختصار کے ساتھ سہی، لیکن یہ بات بتانی چاہیے تھی۔ اسی طرح ایک اخبار نے پاک بھارت اختلافی امور کا تذکرہ کرتے ہوئے ولر بیراج کا نام بھی لیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں قارئین کے تجسس کی تشفی کے لیے کچھ اور بتانا ضروری نہیں سمجھا، حالانکہ خبر کی چار کالمی سرخی، یہی ولر بیراج پر مذاکرات کا آغاز ہے۔ اسی طرح پارلیمنٹ میں آٹھویں ترمیم پر سابق وزیر قانون کی تقریر تو شائع کر دی گئی ہے، لیکن آٹھویں ترمیم کے مندرجات کا کوئی حوالہ موجود نہیں۔

نامکمل خبر کی اشاعت کی مثالیں بھی بکثرت مل جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ خبر ملاحظہ کیجیے۔ ''نواب شاہ میں میڈیکل طالبات کی علامتی بھوک ہڑتال کا تیسرا دن۔'' 13/دسمبر 1990ء کی شائع شدہ اس خبر میں بھوک ہڑتال طالبات کے نام اور ان کے احتجاج کا تذکرہ تو تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ اسباب کیا ہیں جو بھوک ہڑتال کا سبب ہیں۔ آخر میں طالبات کی طرف سے صرف اتنا لکھا گیا ہے ''انہوں نے کہا کہ پرنسپل کے فوری تبادلے اور دوسرے مطالبات کے حل تک جدو جہد جاری رہے گی۔''

ایک اور خبر جس میں لکھا ہے کہ سینیٹ نے شریعت بل کو بحث کے لیے منظور کر لیا 25/دسمبر 1990ء کے اخبارات میں شائع ہوئی۔ لیکن یہ شریعت بل ہے کیا، اس کا

تذکرہ ایک سطر کی عبارت میں بھی موجود نہیں۔ سینیٹ میں اس بل کی منظوری کے بعد کیا ہوگا، کیا اسے قومی اسمبلی میں منظوری کے لیے بھیجا جائے گا یا اسے فوری طور پر نافذ کیا جا سکے گا اور یہ کہ اس کے نفاذ سے آئینی طور پر کیا تبدیلی رونما ہوں گی، اس کا بھی کوئی تذکرہ درج نہیں۔ ایسی خبریں شہریوں کے سیاسی شعور میں کوئی اضافہ نہیں کرتیں اور نہ ملکی امور کے بارے میں ان کے علم میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔

ایک مکمل خبر میں نہ صرف تمام متعلقہ باتیں آ جاتی ہیں۔ بلکہ اس سے خبر کا پس منظر بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان اور امریکہ کے درمیان کل اسلام آباد میں اہم مذاکرات ہوں گے مذاکرات میں امداد کی بحالی اور مسئلہ افغانستان کے حل کا جائزہ لیا جائے گا۔

اسلام آباد (خبر نگار خصوصی)۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان مذاکرات کا ایک اہم دور 9 دسمبر کو اسلام آباد میں ہوگا۔ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات میں روایتی گرم جوشی بحال کرنے کے لیے افسروں کی سطح پر ان مذاکرات میں پاکستان کی مذاکراتی ٹیم سیکرٹری خارجہ شہریار ایم خاں، ایڈیشنل سیکرٹری (امریکہ) باسط حقانی اور امریکہ میں پاکستان کے سفیر نجم الدین شیخ پر مشتمل ہوگی جب کہ امریکہ کی نمائندگی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیاء مادام شیفر، امریکی سفیر رابرٹ اوکلی اور نائب وزیر مادام الزبتھ جونیئر کریں گی۔ باخبر ذرائع کے مطابق پاکستان اور امریکہ کے درمیان مذاکرات کے اس دور میں دوطرفہ تعلقات کے مختلف پہلوؤں کے علاوہ پاکستان کے لیے امریکی امداد کی بحالی اور مسئلہ افغانستان کے حل کے امکانات کا خصوصیت کے ساتھ جائزہ لیا جائے گا۔ دفتر خارجہ کے ذرائع نے نمائندہ جنگ کو بتایا کہ امریکی نائب وزیر خارجہ کے دورۂ پاکستان کا خصوصی مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ امریکی امداد کی بحالی ضمن میں بات چیت کی جائے۔ ذرائع نے بتایا ہے ان مذاکرات کے دوران پاکستان کے اس اصولی موقف کا اعادہ کیا جائے گا جس کا اظہار وزیر اعظم نواز شریف دو ٹوک الفاظ میں کر چکے ہیں اور امریکی حکام پر یہ واضح کیا جائے گا کہ پاکستان امداد کی ہر اچھی پیشکش قبول کرنے کے لیے تیار ہے مگر اس مقصد کے لیے اصولوں پر سودے بازی نہیں

کی جائے گی۔ اسلام آباد میں امریکی سفارتی ذرائع نے بتایا کہ مسز شیفر کو امریکی محکمہ خارجہ میں واحد پالیسی ساز شخصیت کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ وفاقی دارالحکومت کے ذمہ دار سفارتی ذرائع کے مطابق 9 دسمبر کو اسلام آباد میں ہونے والے پاک امریکہ مذاکرات میں امریکی امداد کی بحالی کے ضمن میں کسی معجزانہ پیش رفت کا امکان نہیں ہے۔ (جنگ، کراچی-8 دسمبر 1990ء)''

اس خبر میں پاک امریکی مذاکرات کی تاریخ' مقام' دونوں طرف کی مذاکراتی ٹیم کے ارکان کے نام، مذاکرات کا ایجنڈا' امریکی امداد جیسے حساس مسئلہ پر پاکستان کا موقف اور امریکی ذرائع کے حوالے سے ان کے اپنے حکام کا ممکنہ ردعمل، غرضیکہ ذہن میں پیدا ہونے والے سبھی سوالوں کے جواب مہیا کر دیئے گئے ہیں۔

ایک اور خبر جس میں ماضی کے المناک واقعات کا پس منظر موجود ہے، ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

''کراچی 13/دسمبر (اسٹاف رپورٹر)۔علی گڑھ وقصبہ کالونی اور پاکستان کا وفاع کرنے والے مہاجرین مشرقی پاکستان کے یوم شہادت پر کل بعد از نماز جمعہ قائد ایونیو عزیز آباد میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کی جائے گی۔ ایم کیو ایم نے اس موقع پر شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ 14/دسمبر 1984ء کو علی گڑھ وقصبہ کالونی کے باشندوں پر قیامت صغریٰ ٹوٹی تھی جس کے دوران سینکڑوں افراد شہید اور درجنوں مکانات کو آتش زنی کے علاوہ لوٹ مار کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ 16/دسمبر کو سقوط مشرقی پاکستان کا دن ہے۔ محبّ وطن پاکستانیوں نے وطن عزیز کی حفاظت کے لیے اس روز اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے۔ (مشرقی کراچی 14 دسمبر)''

راقم کے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ اردو اخبارات میں خبروں کی جملہ تفصیلات اور پس منظر کے حقائق بیان کرنے میں زیادہ تر دد سے کام نہیں لیا جاتا۔ رپورٹر اپنی خبر بناتے وقت ماضی کے کوائف کا حوالہ دینا اول تو چنداں ضروری نہیں سمجھتا اور اگر اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو تو اس بارے میں محض اپنی یادداشت پر بھروسہ کرتا ہے اور سرسری کوائف درج کر دیتا ہے، اخبار کے پرانے فائل سے اس کی تصدیق نہیں کرتا۔

البتہ ایسی خبریں اپنے پورے پس منظر کے ساتھ اخبارات میں شائع ہو جاتی ہیں، جن کا تعلق عدالتی کارروائی سے ہو، کیونکہ اس سلسلے میں تحریف اور ترمیم توہین عدالت کے مترادف ہوتی ہے۔

حوالے کی عبارت: کسی خبر کی عبارت میں متعلقہ افراد کے اپنے الفاظ کا استعمال نہایت موثر ہوتا ہے۔ یہ الفاظ واوین کے درمیان رکھے جاتے ہیں، جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کہنے والے کے اپنے الفاظ ہیں اس طرح خبر کی صداقت میں کوئی شک نہیں رہتا اور اس کی اثر انگیزی دوچند ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ چند الفاظ خبر نگار کے طویل بیان سے زیادہ واقع ہوتے ہیں مثلاً آتش زدگی، زلزلے یا سیلاب کی خبر میں سب سے اہم پہلو اس المیے کا انسانی پہلو ہوتا ہے۔ رپورٹر اس المیئے کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے، لیکن جب وہ ایک بوڑھے یا ایک کوکھ جلی ماں کے یہ واوین میں درج کرتا ہے، ''میرے تین بچے میری آنکھوں کے سامنے پانی کے ریلے میں بہہ گئے، ہائے میرا تو کچھ نہیں رہا'' تو رپورٹر کی بیان کردہ ساری تفصیل، اثر آفرینی میں ان چند الفاظ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان پر چھا جاتی ہے۔

حوالے کے الفاظ من وعن وہی ہونے چاہئیں جو کسی شخص نے حاضرین کے روبرو کہے یا رپورٹر نے بیان کئے ہوں۔ اردو میں اسے دو طرح لکھتے ہیں، ایک واوین کے ساتھ، دوسرا طریقہ واوین کے بغیر مثلاً انہوں نے کہا ''میرا خیال ہے کہ دریا کے اس مقام پر بند باندھنا مناسب نہ ہوگا'' --- اور ''انہوں نے کہا ان کے خیال میں دریا کے اس مقام پر بند باندھنا مناسب نہ ہوگا۔''

کسی خبر میں واوین کی عبارت اگر طویل ہو تو اسے درمیان سے اس طرح قطع کر دینا چاہیے۔ ملاحظہ ہو، یہ عبارت:

> ''امریکی سینیٹر نے کہا، عالمی تجارت کے عدم توازن اور بین الاقوامی صورت حالات کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کو چند در چند مشکلات پیش آئیں گی، لیکن مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی حکومت اور اس کے عوام اپنے سیاسی تجربے اور دور بینی کی صلاحیت کی بنا پر مشکلات کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہیں گے۔''

اس طویل عبارت کو اگر درمیان سے قطع کرایا جائے تو اس کی طوالت سماعت پر بار نہیں ہوگی۔ مثلاً عالمی تجارت کے عدم توازن اور بین الاقوامی صورت حالات کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کو چند در چند مشکلات پیش آئیں گی، لیکن امریکی سینیٹر نے کہا مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی حکومت اور اس کے عوام اپنے سیاسی تجربے اور دور بینی کی صلاحیت کی بنا پر مشکلات کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہیں گے۔'''

حوالے کے الفاظ درج کرنے میں بالعموم دشواری اس وقت پیش آتی ہے جب بعض لوگ (مثلاً سیاست دان سفیر، ماہر تعلیم) ایک موضوع پر بولتے بولتے، دفعتاً دوسرے موضوع تک پہنچ جاتے ہیں اور پھر پلٹ کر اس پہلے موضوع کی طرف واپس آ جاتے ہیں۔ اب اگر ان سب حوالوں کو خبر میں جگہ دینی ہو تو رپورٹر تین طریقے استعمال کر سکتا ہے۔ خبر کو اپنے الفاظ میں لکھے اور متعلقہ شخص کے الفاظ کو خبر کے درمیان میں مناسب جگہ پر درج کر دے۔ دوسرا طریقہ ہے کہ گفتگو کرنے والے کے اپنے ہی بیانات کو واوین کے درمیان تسلسل سے شائع کر دیا جائے لیکن ایک گفتگو میں چونکہ تسلسل نہیں تھا، اس لیے فقروں کے درمیان نقطے ڈال دیئے جائیں، مثلاً وزیر خزانہ نے کہا: ''حالات کی ناگواری کے باوجود، میں اپنے مشن میں کامیاب رہوں گا..... کم از کم اقتصادی منصوبہ بندی کے شعبے میں کامیابی یقینی ہوگی۔''

رپورٹر کے لیے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ حوالے کی گفتگو کو اپنی طرف سے باربط بنانے کے لیے ان کی ترتیب بدل دی جائے۔ مثلاً ''وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ان کی رائے میں، قیام امن کے لیے سیاسی جماعتوں کے درمیان افہام و تفہیم ضروری ہے۔ ہماری نجات پیچھے ہٹ جانے میں نہیں، چیلنج قبول کرنے میں ہے۔'' حالانکہ مذکورہ دونوں فقرے وزیر اعلیٰ کی گفتگو میں وقفے وقفے سے آئے، لیکن رپورٹر نے انہیں آپس میں جوڑ کر باربط اور زیادہ بامعنی بنا دیا ہے۔

اہم سیاسی شخصیتیں جب کسی مسئلہ پر اظہار خیال کر رہی ہوں تو ان کے اپنے الفاظ کو خبر میں مناسب طور پر ضرور جگہ دینی چاہیے۔ ان کے الفاظ کے شروع میں واوین اور جہاں فقرہ ختم ہو وہاں بھی واوین لگانا ضروری ہے۔ رپورٹر کے سوالوں کے جواب

میں اگر کسی زیر بحث مسئلہ پر سیاست دان کے اپنے الفاظ درج ہوں تو اس بات کا ڈر نہیں رہتا کہ سیاستدان بعد میں اپنے الفاظ سے مکر جائے اور یہ کہے کہ رپورٹر نے دانستہ طور پر اس کے الفاظ کی غلط توضیح کی۔ مثلاً سقوط مشرقی پاکستان کے باب میں جب ''ادھر تم' ادھر ہم'' کے الفاظ ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) سے منسوب کئے گئے تو ثابت ہوا کہ وہ ان کے اپنے الفاظ نہیں تھے، بلکہ اخبار کے نیوز ایڈیٹر نے خبر کے مفہوم سے وہ الفاظ اپنے طور پر اخذ کئے تھے، البتہ جب مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی شروع ہوئی اور مرحوم بھٹو دوسرے دن ڈھاکہ سے کراچی پہنچے تو کراچی کے ہوائی اڈے پر انہوں نے بیان دیتے ہوئے کہا'' خدا کا شکر ہے۔ پاکستان بچ گیا۔'' یہ الفاظ تاریخ میں ریکارڈ ہیں، جن کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

خبر نگار جس بات کو طویل عبارت میں بیان کرتا ہے، بعض اوقات وہی بات واوین کے درمیان ایک مختصر فقرے میں ادا ہو جاتی ہے۔ مثلاً خود کفالت کے باب میں وزیر اعظم کے یہ الفاظ کہ'' ہم روکھی سوکھی کھا کر جی لیں گے، لیکن بھیک مانگنے کے لیے نہیں نکلیں گے.... '' ان کی تقریر کی شہ سرخی بن گئے۔ ان الفاظ سے یقین، عزم اور ارادے کی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔ جس نے پوری تقریر نہ پڑھی ہو وہ ان چند الفاظ سے ہی سارا مفہوم پالیتا ہے۔

جزوی حوالے:

جب کوئی شخص کوئی ایسا فقرہ ادا کرتا ہے جس سے اس کے نقطہ نظر کی ترجمانی ہوتی ہو تو رپورٹر کو چاہیے کہ اس فقرے کو من وعن بیان کر دے، جیسا کہ اوپر کی مثال میں آپ نے ملاحظہ کیا۔ بعض اوقات ایسے الفاظ جن سے اس کے نقطہ نظر کی ترجمانی ہوئی ہو اس کی تقریر میں جا بجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ اس وقت رپورٹر کو چاہیے کہ ان الفاظ کو یکجا کر کے انہیں ایک مربوط عبارت میں پرو دے۔ اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ مقرر اپنی تقریر میں کوئی بڑی بات کہہ جاتا ہے، اس کے بعد تادیر کوئی ایسا فقرہ نہیں آتا جسے حوالے کے طور پر درج کیا جا سکے۔ بعد ازاں ایک اور فقرہ آ جاتا ہے۔ جس سے پہلے فقرے کے مفہوم کو تقویت ملتی ہے۔ اب رپورٹر کو چاہیے کہ ان دونوں فقروں کو باہم جوڑ لے اور درمیان کی

باتوں کو نظر انداز کر دے، اس طرح عبارت زیادہ موثر اور بامعنی ہو جائے گی اسی کو ہم جزوی حوالہ کہتے ہیں۔ جزوی حوالہ کہتے ہیں، اگر اس نے ایسا نہ کیا تو پوری گفتگو کا لکھنا طویل اور پریشان کن ثابت ہوگا۔ جزوی حوالے کا استعمال خبر کو زیادہ دلچسپ اور لائق مطالعہ بنا دیتا ہے، جب کسی تقریر کا جزوی حوالہ دیا جائے تو واوین انہی الفاظ پر استعمال ہوتے ہیں جو مقرر نے فی الواقعی ادا کئے۔ اس طرح رپورٹر کے بیان اور مقرر کے اپنے الفاظ کے درمیان امتیاز باقی رہتا ہے، مثلاً امریکی صدر جارج بش کی گفتگو کے یہ الفاظ، جو ایک اخبار میں نظر سے گزرے:

> ''مسٹر بش نے کہا کہ وہ گورباچوف کا صاف طور پر بتا دیں گے کہ بین المملکتی تعلقات کے سلسلے میں ہم مسلسل اصلاح احوال کے خواہش مند ہیں، لیکن تجدید اسلحہ یا ایسے ہی کسی اور مسئلہ، پر وہ واضح سفارشات پیش کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔''

امریکی صدر نے اپنی تقریر میں وہ الفاظ جنہیں واوین میں پیش کیا گیا ہے کب استعمال کئے یہ واضح نہیں لیکن رپورٹر نے ان خاص الفاظ کو جو زیر بحث موضوع کی جان تھے، تقریر کے درمیان سے نکال کر ایک مربوط عبارت میں شامل کر لیا اور یوں مقرر کے موقف کی بھرپور ترجمانی ہوگئی۔

بالواسطہ حوالے:

بالواسطہ حوالے مقرر کے اپنے الفاظ نہیں ہوتے، بلکہ رپورٹر کے بیان کا خلاصہ ہوتے ہیں جو اس نے مقرر کی تقریر یا گفتگو سن کر اخذ کیا اور اختصار کی غرض سے بطور خود لکھا۔ اس طریق کار کے بڑے فائدے ہیں۔ ایک طویل اور سپاٹ تقریر جس میں ایک ہی بات کی جا بجا تکرار ہو، اگر بجنسہٖ نقل کی جائے تو اس سے اخبار کے کالم اور قاری کا وقت ضائع ہوگا۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے رپورٹر کو چاہیے کہ مقرر کی تقریر کو اختصار کے ساتھ لیکن مربوط انداز میں اپنے طور پر بیان کر دے۔ یہی بالواسطہ حوالہ ہوا۔ سیاست دانوں کی تقریر لفاظی اور چرب زبانی سے بالعموم بھرپور ہوتی ہے، جسے حرف بحرف لکھنا ضروری نہیں ہوتا اس قباحت سے بچنے کے لیے تقریر کے مفہوم کو صاف، صریح اور نمایاں

طریقے سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

اردو صحافت پر ٹیکنالوجی نے جو اثر ڈالا ہے، یہاں اس کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ اب ٹیپ ریکارڈر کے استعمال نے رپورٹر کا کام آسان بنا دیا ہے وہ کسی مقرر کی ساری گفتگو کو اطمینان سے ریکارڈ کر کے کاغذ پر منتقل کر دیتا ہے۔ نیوز ایڈیٹر اسے کمپیوٹر کے حوالے کر دیتا ہے۔ مشینی کتابت میں دیر نہیں لگتی۔ اس سارے عمل میں تیز رفتاری آ گئی ہے، پھر یہ بھی ہے کہ مشینی کتابت کی بدولت طویل عبارت کم جگہ میں سما جاتی ہے، لیکن تحریر کی صفائی اور یکسانیت میں فرق نہیں آتا۔ اس سہولت کا ایک منفی نتیجہ بھی دیکھنے میں آیا ہے اور وہ یہ کہ رپورٹر طویل تقریر یا بیان کو حوالوں اور جزوی حوالوں کی مدد سے جامع اور موثر بنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ مقرر کو اگر وہ کوئی بااثر یا مقتدر سیاست دان ہے، اخبار کے دو ڈھائی کالم دے دیتا ہے، حالانکہ مکرر کہی گئی باتوں کو یا غیر اہم فقروں کو قلم زد کر دیا جائے تو عبارت زیادہ موثر ہو سکتی ہے۔

البتہ ایک خوبی جس کا تذکرہ ضروری ہے، رپورٹر کی فراہم کردہ ''جھلکیاں'' ہیں کسی جلسے، کسی پریس کانفرنس، ایئرپورٹ کی خیر مقدمی تقریب یا ایسے ہی کسی اہم موقع پر جو باتیں سننے اور دیکھنے میں آتی ہیں، وہ سب اصل خبر میں شامل نہیں کی جا سکتیں تاہم ان میں قاری کی ضیافت طبع یا دلچسپی کا مواد ضرور ہوتا ہے لہٰذا انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہی باتیں الگ الگ فقروں کی صورت میں لکھی جاتی ہیں اور ان کا عنوان ''جھلکیاں'' ہوتا ہے۔ مقرر کے دلچسپ فقرے بھی انہی میں آجاتے ہیں، جن کا اصل تقریر سے تعلق نہیں ہوتا۔

حوالے کی عبارت میں اصل الفاظ ہوں یا وہی بات بالواسطہ کہی گئی ہو، ہر دو صورت میں یہ ضروری ہے کہ جس سے جو بیان منسوب کیا جائے اس فرد کی نشاندہی بھی ساتھ ہی کر دی جائے۔ اگر کوئی خبر صرف ایک شخص کی اطلاع پر مبنی ہے تو بھی رپورٹر کی ذمہ داری ہے کہ اس کی نشاندہی برابر کرتا رہے کہ وہ خبر کہاں سے آئی اور وہ بات کس نے کہی۔ خبر میں جب کسی شخص کا پہلی بار حوالہ دیا جائے تو اس کا پورا نام اور اگر صاحب منصب ہو تو اس کا منصب بھی ضرور بتایا جائے، مثلاً ''ڈاکٹر عمران علی چیف سرجن، جنرل

ہسپتال نے کہا'' ایسا کرتے وقت تنوع کا بھی خیال رکھنا چاہیے، مثلاً کبھی اس طرح لکھا جائے ''انہوں نے کہا'' اور دوسری مرتبہ ''ڈاکٹر علی نے کہا۔'' اس طرح ''انہوں نے'' کی تکرار پیدا نہیں ہوگی۔ بعض اخبارات میں حوالے کی عبارت کے ساتھ کہنے والے فرد کی نشاندہی بار بار نہیں کی جاتی، لیکن ایسا نہ کرنا غلط فہمی پیدا کرسکتا ہے۔

لیڈ کے ہر پیراگراف میں متعلقہ فرد کی نشاندہی ضروری نہیں ہوتی، اگر کوئی رپورٹر کسی سیاست دان کی تقریر یا اس کا بیان قلم بند کرتا ہے تو وہ اس کے نام کا اندراج عام طور پر لیڈ میں کردے گا، تاہم لیڈ کا تعلق اگر کسی موضوع سے ہے، کسی فرد سے نہیں تو اس میں متعلقہ فرد کی نشاندہی ضروری نہیں ہوگی۔ رپورٹر نے تو ایک موضوع کو چھیڑا ہے جس پر بحث کے لئے کچھ دوسرے افراد سامنے آئیں گے۔ مثلاً یہ خبر:

''کراچی (اسٹاف رپورٹر)۔ امریکی امداد کے تعطل اور ممکنہ بندش کے بعد سماجی اور سیاسی حلقوں میں یہ سوال زیر بحث ہے کہ پاکستانی قوم اپنی آزادی اور قومی تشخص کو بحال رکھنے کے لئے کیا سنگین آزمائش کے مراحل سے استقامت کے ساتھ گزر سکے گی، یا غیر امدادی ایجنسیوں کی مشروط امداد قبول کرکے آنے والے بحران کو ٹالنے میں ہی عافیت سمجھے گی۔ ادیبوں، صحافیوں اور سماجی امور پر غور و بحث کرنے والے دانش وروں میں یہ سوال گذشتہ شام ایک تقریب کے حوالے سے زیر بحث رہا---''

اسی طرح کی ایک اور خبر ہے۔ ''لاہور (اسٹاف رپورٹر)۔ ایک اطلاع کے مطابق محکمہ بلدیات و دیہی ترقی کو اپ گریڈ کردیا گیا ہے۔ اسی طرح صوبے میں یہ چوتھا محکمہ ہے جس کے تنظیمی ڈھانچے کو اس کے محکمانہ انتظامی بوجھ کی وجہ سے از سر نو منظّم کیا جائے گا۔''

مذکورہ بالا دونوں خبروں کی لیڈ میں افراد کے حوالے نہیں آتے، اس لئے کسی فرد کی نشاندہی ضروری نہیں۔ اسی طرح لیڈ کے ہر پیراگراف میں متعلقہ شخص کی عبارت کو بوجھل بنادے گی۔ اگر کسی خبر میں بہت سے ذرائع کا حوالہ آتا ہے تو رپورٹر کو صراحت کے

ساتھ یہ بتاتے رہنا چاہیئے کہ کون سی بات کون شخص کہہ رہا ہے۔ ایک خبر میں اگر چار ذرائع شریک ہیں تو ''انہوں نے کہا'' لکھنے سے غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔ لہٰذا رپورٹر کو حوالہ دیتے وقت متعلقہ شخص کے نام کا آخری حصہ لکھ دینا چاہیئے، اس طرح کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہو گی۔ طوالت سے بچنے کے لئے پورا نام نہ لکھا جائے۔

لیڈ کی عبارت میں خبر کے تمام اہم نکات آ جاتے ہیں۔ اس میں بھی یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ جو بات انسانی دلچسپی کی ہے اور اہم ترین ہے، اس کا تذکرہ پہلے ہو اور باقی باتیں ان کی اہمیت کے تناسب سے بعد میں لکھی جائیں۔ اسے سمجھنے کے لئے ذیل کی ایک خبر ملاحظہ کیجئے:

> ''راولپنڈی۔14/دسمبر۔ شہر کے گنجان اور تنگ علاقے میں واقع اردو بازار میں آج صبح ایک تین منزلہ اور بوسیدہ مکان کی چھت گرنے سے ایک خاتون، اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہلاک ہو گئے۔ جب کہ اس کے شوہر عبدالرحمٰن اور ایک بیٹا محمد شاہد شدید زخمی ہیں اور ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ عبدالرحمٰن کے بیان کے مطابق وہ اپنے تین بھائیوں کے ہمراہ طویل عرصے سے اردو بازار کی اس تین منزلہ عمارت میں رہائش پذیر ہے۔ وہ خود سب سے اوپر والی منزل کے ایک کمرے میں رہتا ہے۔ آج صبح تمام اہل خانہ سوئے ہوئے تھے کہ چھ بجے چھت گر گئی۔ اس کی بیوی کنیز فاطمہ، 23 سالہ محمد اکبر، 16 سالہ بیٹا محمد آصف اور دس سالہ بیٹی ثمینہ مدعی خود اور اس کا بیٹا شاہد ملبے کے نیچے دب گئے۔ بھائیوں اور اہل محلّہ نے فوری طور پر امداد کی، لیکن اس کے خاندان کے چار افراد کی لاشیں برآمد ہوئیں۔ وہ اور اس کا بیٹا محمد شاہد شدید زخمی ہو گئے۔ یہ عمارت قریباً 50 سال پرانی تھی اور بلدیہ کے عملے نے اسے آج تک بوسیدہ ہونے کا نوٹس جاری نہیں کیا تھا۔''

(نوائے وقت 15/دسمبر 1990ء)

یہ ایک حادثے کی خبر ہے جس میں تمام حقائق اسی ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں جو ان کی اہمیت کے مطابق ہے، یعنی حادثہ راولپنڈی کے اردو بازار میں ہوا، آج صبح ہوا، ایک خاتون، اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہلاک ہو گئے۔ دو افراد زخمی ہو گئے جن کے نام بھی دیئے گئے ہیں، مرنے والوں کے نام اور ان کی عمریں بعد میں بتائی گئی ہیں اس کے بعد ستم زدہ کنبے کے سربراہ عبدالرحمٰن کی طرف سے دیگر تفصیلات بیان کی گئی ہیں، یعنی عمارت کا قدیم اور بوسیدہ ہونا، اس کی بالائی منزل پر اقامت اور اس سے پہلے یہ بات کہ یہ سانحہ کس طرح اور کس وقت رونما ہوا۔

یہ خبر اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہے، اس میں مزید تاثر پیدا ہو سکتا تھا، اگر متاثرہ کنبے کے سربراہ زخمی عبدالرحمٰن کا بیان واوین میں ان کی اپنی زبان سے ادا کیا جاتا۔ اہل محلّہ کے تاثرات اور قریب میں اگر دوسری مخدوش عمارتیں ہیں تو ان کی کیفیت کا بیان اس خبر کو مزید دلچسپ بنا سکتا تھا۔

ایک خبر جو کامرس رپورٹر نے اپنے اخبار کو مہیا کی، کچھ اس طرح ہے:

> ''کراچی۔ صنعتی پالیسی کے تحت ملک بھر میں نئے صنعتی یونٹ قائم کرنے کے لیے حکومت کی جانب سے کسٹم ڈیوٹی و سیلز ٹیکس کی جو رعایت دی گئی ہیں، ان میں کراچی کو شامل نہیں کیا گیا۔ ذرائع کے مطابق سی بی آر نے اس سلسلے میں 13 دسمبر کو ایک ایس آر او جاری کیا ہے، جس میں کراچی کے علاوہ ملک بھر میں صنعتیں لگانے پر 50 سے 100 فیصد کسٹم ڈیوٹی معاف کی گئی ہے۔ نوٹیفکیشن کے مطابق صوبہ سندھ میں کوٹری وحیدرآباد کے ضلع کو اور صوبہ پنجاب میں تمام بڑے اضلاع اور تحصیلوں کو کسٹم ڈیوٹی کی مد میں 50 سے 100 فیصد رعایت دی گئی ہے، تاہم کراچی کو یہ رعایت نہیں دی گئی ۔ سائٹ ایسوسی ایشن آف انڈسٹری کے چیئرمین مسٹر مجید عزیز نے کہا ہے کہ ملک کے سب سے بڑے شہر کو یہ رعایت نہ دینے سے مستقبل میں یہاں صنعت کاری متاثر ہو گی جو صنعت کاری کو فروغ

دینے کی حکومت کی پالیسی کے بھی منافی ہے۔انہوں نے حکومت پر
زور دیا کہ کسٹم ڈیوٹی، سرچارج اور سیلز ٹیکس میں مکمل استثنیٰ کے لیے
کراچی کی حدود میں 30 سے 40 کلومیٹر کمی کی جائے۔

مذکورہ بالا دونوں خبروں میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ جو بات سب سے اہم ہے، وہ سب سے پہلے کہی جائے، پھر یہ کہ خبر کے متن کو کم سے کم الفاظ میں بیان کیا جائے۔محض لفاظی اور طول کلام سے پرہیز کیا جائے۔کامرس رپورٹ کی خبر میں سرکاری فیصلے سے پیدا ہونے والے نتائج اور ردِعمل کا حوالہ بھی آ گیا ہے۔خبر کو سادہ، موثر اور موزوں الفاظ میں اسی طرح بیان کرنا چاہیے۔

O

بلٹ کیا ہے؟ خبروں کو اختصار کے ساتھ موثر انداز میں بیان کرنے کے کئی دیگر طریقے ہیں۔انہی میں سے ایک طریقہ ''بلٹ'' کا ہے۔ بلٹ بمعنی گولی۔ جس طرح رائفل سے نکلنے والی گولی، تیز رفتار ہوتی ہے۔ٹھیک نشانے پر لگتی ہے اور کارگر ہوتی ہے، اسی طرح خبر کو بھی تیز رفتار، یقینی اور موثر ہونا چاہیے۔سہولت کے لیے ہم بلٹ کی اصطلاح کو اردو میں بھی استعمال کریں گے۔ بلٹ میں رپورٹروں کے لیے یہ آسانی ہے کہ مختلف مسائل کے بارے میں بہت سی خبروں کو تیزی اور صراحت کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ بلٹ ایک مکمل فقرے کی بھی ہوسکتی ہے اور نامکمل فقرے کی بھی، ہر اخبار میں اس کے استعمال کا طریقہ مختلف ہوسکتا ہے۔مثلاً یہ خبر:

منگل کے روز صوبائی اسمبلی نے درج ذیل فیصلے کیئے۔

- O صوبے میں ٹریفک کے مروجہ نظام کا جائزہ لینے کے لیے ایک منصوبے کی منظوری
- O اسلام آباد کے قریب ایک نالے پر ایک لاکھ روپے کے خرچ سے ایک پل کی تعمیر
- O اسلام آباد کے نواح میں ایک اسکول میں توسیع

یوں تو خبر میں بلٹس (Bullets) کہیں بھی استعمال ہوسکتی ہیں لیکن کوئی رپورٹر اگر یہ چاہے کہ اپنی خبر میں ابتدا بہت سے عنوانات کو متعارف کرانے کے بعد آگے چل کر ان کی تفصیل بیان کرے تو اس کے لیے بلٹس کے استعمال کا طریقہ بہت موثر ہوگا۔اسی

طرح اگر وہ چاہے کہ کسی اجلاس میں زیر بحث آنے والے مسائل کو بہ عجلت تمام اپنے قارئین کے علم میں لے آئے تو بلٹس سے اس کا کام آسان ہو جائے گا۔ خبر کے آخر میں وہ ان مسائل کو چند فقروں میں سمیٹ سکتا ہے۔

ایسی خبریں جو رپورٹ یا سروے پر مبنی ہوتی ہیں، ان کے اہم نکات کو نمایاں طور پر بیان کرنے کے لیے بھی بلٹس سے کام لیا جاتا ہے قارئین بلٹس پر ایک نظر ڈال کر ہی معلوم کر لیتے ہیں کہ متعلقہ رپورٹ یا سروے کے اہم نتائج کیا ہیں۔ اس طرح انہیں پوری خبر پڑھنے کی زحمت نہیں کرنی پڑتی۔ ادارتی صفحہ کا کوئی مضمون ہو یا کوئی انٹرویو ہو تو اس میں طویل دلائل اور نکات کو بلٹس کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہاں چند مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ رپورٹروں نے خبریں لکھتے وقت بلٹس کس طرح استعمال کیں۔ جب کسی بلدیہ، صوبے یا وفاق کا بجٹ اخبارات میں شائع ہو تو اس پر ایک نظر بغور ڈالیئے۔ جلی سرخیوں میں شائع کردہ خبر کے پہلو میں آپ کو بجٹ کے اہم نکات، مثلاً ''بجٹ کی سفارشات: ایک نظر میں'' یا'' نئے ٹیکس یا ٹیکسوں میں رود بدل اہم نکات'' لکھے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہ کئی کالموں پر پھیلی ہوئی بجٹ رپورٹ کے وہ نکات ہیں جس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے آپ طویل متن کا مفہوم سمجھ لیں گے۔ اسی طرح صدر یا وزیراعظم یا کسی مقتدر شخصیت یا غیر ملکی مہمان کے خطاب کو جس میں بہت سی اہم باتیں کہی گئی ہوں یا اہم فیصلوں کا اعلان کیا گیا ہو، بلٹس کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جو قارئین پوری خبر پڑھنا نہیں چاہتے وہ ضروری نکات کا مطالعہ بلٹس میں کر لیتے ہیں۔ بلٹس کا استعمال خبر کے اندر انٹرویو کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے اور اصل خبر سے الگ بھی۔ دونوں صورتوں میں یہ طریقہ قارئین کے لیے کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ طویل خبروں میں جس کے متن کے اندر بہت سی اہم باتیں جا بجا بکھری ہوئی ہوں، بلٹس کا استعمال ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اس طرح تمام اہم نکات ابتداء میں ہی قاری کے علم میں آ جاتے ہیں۔

اردو اخبارات میں ''جھلکیاں'' بھی لکھی جاتی ہیں، لیکن انہیں بلٹس سے بالکل مختلف سمجھنا چاہیے۔ اہم بیانات، پریس کانفرنس کی گفتگو، کسی جلسے کی رپورٹ یا کسی اہم تقریب میں ایسی باتیں بھی سامنے آتی ہیں، جو غیر اہم لیکن قارئین کی دلچسپی کی ہوتی ہیں۔

لہٰذا انہیں خبر میں جگہ نہیں دی جاتی، تاہم رپورٹر انہیں الگ سے مرتب کر کے قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش کر دیتا ہے۔ سیاست دانوں کی نوک جھونک، کوئی پر لطف شعر، کوئی برجستہ فقرہ، کسی طرح کی بوالعجبی، یہ ساری باتیں جھلکیوں میں آ جاتی ہیں، کیونکہ اصل خبر سے نہ تو ان کا کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ خبر میں ایسی باتوں کے لیے کوئی جگہ ہوتی ہے۔

O

قصہ مختصر:

اس سے پہلے کہ یہ باب ختم کیا جائے، اس کے اہم نکات کو مزید یاددہانی کے طور پر آپ کے گوش گزار کر دینا ضروری ہے۔ رپورٹر کو چاہیے کہ اپنا مسودہ ایڈیٹر کو دینے سے پہلے ایک بار پھر غور سے پڑھ لے۔ عبارت میں اگر کوئی لفظ چھوٹ گیا ہو یا کوئی فقرہ اپنی ساخت میں کمزور ہو تو اس کی تصحیح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ رپورٹر متن کو قدرے بلند آواز سے پڑھے۔ اس طرح غلطی فوراً سامنے آ جاتی ہے۔ ناموں کے ہجے اور اعداد و شمار کی درستی کے لیے ان پر ایک بار پھر نظر ڈال لے اور اس امر کو یقینی بنا لے کہ خبر میں زیر بحث مسئلہ کے ہر فریق کو اگر مساوی نہیں تو کم از کم نمائندگی ضرور دی گئی ہے اور اس کے موقف کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ اس دوران میں اگر کچھ سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہوں تو رپورٹر کو چاہیے کہ ان کے جواب بھی متن میں شامل کرے اور تمام حوالہ جات اور اعداد و شمار کی مزید تصدیق متعلقہ افراد سے فون پر کر لے۔ کسی رپورٹر یا اس کے اخبار کی شہرت کے لیے اس سے زیادہ نقصان دہ کوئی بات نہیں کہ اس کی خبریں نادرست اور غیر مصدقہ ثابت ہوں۔ بعض اوقات اس سے بچنا ممکن نہیں ہوتا لیکن کوئی خبر اگر اغلاط سے بھری ہوئی ہو تو اسے ناقابل معافی سمجھنا چاہیے۔

رپورٹر بہر طور یہ اطمینان کرے کہ:

1- اس نے اپنی خبر میں اس سے متعلق تمام پہلوؤں کو پوری طرح جگہ دی ہے۔۔
2- خبر کی لیڈ صحیح لکھی گئی ہے اور اس میں تمام سوالوں کے جواب یعنی کون' کیا' کب' کیسے' کہاں اور کیوں کے جوابات تسلی بخش طور پر سمیٹ لئے گئے ہیں۔
3- خبر کی عبارت صاف اور صریح ہے اور اس میں کہیں کوئی جھول نہیں ہے۔

4- خبر میں براہراست انداز اختیار کیا گیا ہے، بالواسطہ نہیں۔

5- ہر پیراگراف میں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو نکات زیر بحث لائے گئے ہیں، ان سے زیادہ نہیں۔

6- متن کی صحت اور صفائی کے لیے فقروں کی ساخت مناسب، الفاظ اور اصطلاحات کا استعمال موزوں اور ناموں کے ہجے درست ہیں۔

بیٹ رپورٹنگ : (Beat Reporting)

اخبارات میں رپورٹنگ کی بالکل ابتدائی نوعیت بیٹ رپورٹنگ کی ہے۔ بیٹ سے مراد وہ علاقہ ہے، جو رپورٹنگ کی غرض سے کسی رپورٹر کے لیے مقرر کرایا جاتا ہے۔ مثلاً پولیس، عدالتیں، سیاسیات، بلدیہ یا دیہات ہیں، ان سے متعلق خبر میں اکٹھا کرنا رپورٹوں کے یومیہ فرائض میں شامل ہوتا ہے۔ بیٹ رپورٹنگ کے لیے ضروری ہے کہ رپورٹر مستعد اور پھرتیلا ہو، معاملہ فہم ہو اور واقعات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

ہر اخبار میں عملے کی الگ الگ بیٹ مقرر ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض کے ذمے زیادہ مہارت کا کام ہوتا ہے۔ عام طور پر اخبارات میں رپورٹروں کے ذمے درج ذیل بیٹ ہوتی ہیں:

بلدیہ یا شہری مسائل، صوبائی حکومت، وفاقی حکومت، پولیس، عدالتیں، مواصلات، تعلیم، سماجی ادارے، دینیات اور دینی ادارے، ماحولیات، کھیل اور تفریحات۔

پاکستان میں تقریباً ہر قومی روزنامے کے اپنے نمائندے ملک میں اکثر بڑے شہروں مثلاً لاہور، کراچی، پشاور اور اسلام آباد میں مقرر ہیں جو نہ صرف ان شہروں کی خبریں ارسال کرتے ہیں بلکہ وہ جن صوبوں میں تعینات ہوں، ان کی خبریں بھی بھیجتے ہیں۔ اگر کوئی اخبار بہت مالدار ہو تو واشنگٹن، لندن اور نئی دہلی میں بھی اپنے نامہ نگار مقرر کر سکتا ہے۔

اخبار میں اس کے اپنے انتظام کے مطابق بیٹ رپورٹروں کے فرائض کی نگرانی کے لیے ایڈیٹر مقرر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر پشاور کا نامہ نگار، مختلف علاقوں سے ملنے والی خبروں کو دیکھنے کے بعد ایڈیٹر کے سپرد کر دیتا ہے، عہدے کے اعتبار سے اسے ''ریجنل ایڈیٹر'' کہہ سکتے ہیں۔ واشنگٹن کا نامہ نگار براہ راست مدیر اعلیٰ سے رابطہ رکھتا ہے۔ مقامی

رپورٹرسٹی ڈیسک سے تعلق رکھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ بہترین رپورٹر اپنے ایڈیٹر کی منشاء کو نہایت تیزی سے سمجھنے لگتے ہیں اور اس بات کو بھی کہ ان کے فرائض کی حدود اور موانع کیا ہیں۔ اپنی کارگردگی کے معاملے میں رپورٹر کا ایڈیٹر کے ساتھ جتنا قریبی تعلق ہوگا، رپورٹر کی زندگی اتنی ہی آسان ہو جائے گی۔ اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اپنی خبر کے سلسلے میں کب اسے ڈٹ جانا چاہیے اور کس وقت خاموشی سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے تو وہ بہت سے رنج اور اندوہ سے محفوظ رہے گا۔ اسی طرح اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کی خبر کا متن کتنا طویل ہونا چاہیے اور ایڈیٹروں کے لیے خبر میں ایک خاص زاویہ قابل قبول ہوگا یا نہیں تو یہ بات بھی اس کے لیے اطمینان کا موجب ہوگی۔

ایڈیٹر صاحبان ''ناگزیر برائی'' ہوتے ہیں۔ یہ ایک پرانا لطیفہ ہے کہ آج تک ایسا کوئی رپورٹر نہیں ملا جو اپنے ایڈیٹر کو پسند کرتا ہو۔ ''میامی ہیرلڈ'' کا ایک نہایت ذہین پولیس رپورٹر ایڈنا بیوکینن ہے۔ اس نے اخبارنویسوں کو کچھ مشورے دیئے ہیں جو ساری دنیا کے اخبارنویسوں کے لیے یکساں مفید ہیں، ملاحظہ کیجئے:

> '' 1-خبردار، کبھی ایڈیٹروں پر بھروسہ نہ کرنا۔ 2-خبردار کبھی ایڈیٹروں پر بھروسہ نہ کرنا۔ 3-خبردار، کبھی ایڈیٹروں پر بھروسہ نہ کرنا۔ وہ آپ کی دی ہوئی خبر پر انتہائی مہربان ہو سکتے ہیں۔ ان کے رویے سے آپ کو خفت اور پریشانی ہوسکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی طرح آپ اپنی خبروں کے ذرائع سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ وہ آپ کی خبر میں سے بہترین مواد کو نکال کر باہر پھینک سکتے ہیں، آپ کی خبر میں غلطیاں شامل کر سکتے ہیں، ہجے غلط لکھ سکتے ہیں اور ان سب سے سوا گمراہ کن سرخی لگا سکتے ہیں اور اس طرح آپ کو مصیبت میں مبتلا کر سکتے ہیں۔

ان الفاظ کو تازندگی یاد رکھئے۔

ہر شہر اور ہر ملک ایک زندہ اور متحرک وجود رکھتا۔ اس سارے کارگاہ عمل کے درمیان بیٹ رپورٹر کھڑے ہیں۔ تقریریں، قتل کی وارداتیں، جلسے جلوس، دنگے فساد،

لڑائیاں، مزدور یونینوں کے تنازعے اور معزز مہمانوں کے دورے، رپورٹر ان سب کی خبریں لکھتے ہیں۔ صحافت کو تاریخ کے پہلے مسودے کا خاکہ کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخبارات میں اور خود معاشرے میں بھی اعلیٰ درجے کی رپورٹنگ کا کردار نہایت اہم اور بنیادی ہوتا ہے بہت سے قارئین ہوں گے جن کے پاس سیاسی جلسوں میں شرکت کا وقت نہیں ہوتا، وہ آتش زدگی کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتے یا سرکار محکموں کے سربراہوں کو گفتگو کے لیے مدعو نہیں کرتے، چنانچہ یہ سارے فرائض ان کے لیے رپورٹر انجام دیتے ہیں، معاشرے اور ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے، رپورٹر ان کی تفصیل قارئین تک پہنچاتے ہیں۔

O

آغاز کار:

رپورٹر اپنی اپنی بیٹ کی خبریں کس طرح فراہم کرتے ہیں؟ وہ اس طرح کی خبریں حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر جاتے ہیں، لوگوں سے باتیں کرتے ہیں، جلسوں میں شریک ہوتے ہیں رابطے پیدا کرتے ہیں، سرکاری حکام سے، کارکنوں سے جو مختلف کاموں پر مامور ہوں ان کے دفاتر کے عملے اور کاروباری لوگوں سے ذاتی طور پر معمول کی ملاقاتیں کرتے ہیں۔ یہ اور دوسرے لوگ رپورٹر کے لیے خبروں کا پشتارہ کھول سکتے ہیں۔

ہر بیٹ کی اپنی خصوصیات، اس کی اپنی مشکلات اور بعض مثبت پہلو ہوتے ہیں۔

بیٹ رپورٹر کے لیے دوسرا قدم یہ ہونا چاہیے کہ اپنے اخبار کی فائل سے وہ تمام مضامین اور خبریں نکال کر پڑھے جو اس کی بیٹ سے تعلق رکھتی ہیں۔ سرخیوں پر ہی ایک نظر ڈالنے سے اہم مسائل کی ایک فہرست سامنے آجائے گی، خبروں کو ذرا غور سے پڑھنے کے بعد ان افراد کے نام معلوم ہو جائیں گے جو پالیسیاں مرتب کرتے ہیں، جرائم کا سراغ لگاتے ہیں اور اصلاحات نافذ کرتے ہیں۔ اس مطالعے کے بعد ذہن میں ''میدان کارزار'' کا ایک نقشہ مرتب ہو جائے گا یعنی یہ کہ وفادار لوگ کدھر ہیں، دشمن کون ہیں اور کہاں کھڑے ہیں، کامیابیاں کب ہوئیں اور ناکامیوں کا سامنا کب کرنا پڑا۔

دفتر سے باہر نکلنے سے پہلے اگر بیٹ رپورٹر دو سال کے اخباری تراشوں کا مطالعہ کر لے تو اسے معلومات کی ایک دنیا حاصل ہو جائے گی۔ اسی طرح اس کی بیٹ سے

متعلق اگر کچھ سرکاری رپورٹیں ہوں یا تحقیقاتی دستاویز ہو تو اسے بھی غور سے پڑھ لینا چاہیے۔ یہ سب کچھ کر لینے کے بعد رپورٹر کو باہر نکل کر محکموں کے سربراہوں، سیاست دانوں، کارکنوں، تاجروں اور آبادی کے مختلف نمائندہ لوگوں، غرض کہ ان سب افراد سے جن کا تعلق اس کی بیٹ سے ہو ملاقات کرنی چاہیے۔

متعلقہ لوگوں سے ایک بار کی ملاقات کافی نہیں ہوتی۔ بیٹ رپورٹر کا فرض ہے کہ ڈاکٹر صاحبان کی طرح دن میں کم از کم ایک بار پھیرا لگاتا رہے۔ اگر رپورٹر کا تعلق تعلیم کے شعبے سے ہے تو وہ اسکول کی انتظامیہ سے ملاقات کرے گا یا پھر مختلف تعلیمی اداروں میں جا نکلے گا۔ اگر رپورٹر کا واسطہ پولیس کے محکمے سے ہے تو وہ مختلف تھانوں کا دورہ کرے گا، بعض محکمے اپنے یاں خبروں کی فراہمی کے لیے ''نیوز روم'' رکھتے ہیں۔ سیاسی خبروں کا رپورٹر ٹیلیفون پر اپنے ''ذرائع'' کے ساتھ رابطہ پیدا کرے گا یا تقریروں اور جلسوں کی کارروائی قلم بند کرے گا۔ بیٹ رپورٹر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے شعبوں میں مسائل کے سر پر موجود رہیں یا پھر خبروں کے حصوں میں اپنے حریفوں سے شکست کھانے کو تیار رہیں۔ ایک ہی طرح کے لوگوں سے روز روز ملنا ویسے تو تھکا دینے والا کام ہے، لیکن اس یومیہ ملاقات سے یقیناً ایک تعلق خاطر پیدا ہوگا، اور اس کے نتیجے میں اچھی خبریں ملتی رہیں گی۔

بیٹ رپورٹر اگر ایک بار اپنی ساکھ بنالیں تو پھر انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے حلقہ ملاقات میں وہ کون سے لوگ ہیں جو خبر فراہم کر سکتے ہیں یا راز کی بات چپکے سے کان میں ڈال سکتے ہیں۔ ایک اچھا بیٹ رپورٹر انہی ذرائع کی بدولت دوسرے اخباروں سے کہیں پہلے بعض بڑی خبریں حاصل کر لے گا۔ ایسی بڑی خبریں، جنہیں ''سنسنی خیز انکشاف'' کہا جاتا ہے، کسی سرکاری عہدیدار کی برطرفی، کسی نئے سرکاری پروگرام کا اجراء کابینہ کے کسی افسر کی گرفتاری یا پریشان کن نوعیت کی کوئی اطلاع ہو سکتی ہے۔ (سیاست دانوں کے بارے میں ناجائز تعلق اور منشیات کے استعمال کی خبریں ہمیشہ بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔)

جب رپورٹر اپنی بیٹ میں چند ماہ گزار لیتا ہے تو اسے تحقیق و تفتیش کے ذریعے اچھی خبریں حاصل کرنے کا گر معلوم ہو جاتا ہے۔ تم جو کچھ جانتے ہو، ظاہر یہ کرو کہ اس سے

کہیں زیادہ جانتے ہو، کسی شخص سے انٹرویو کرتے وقت کسی افواہ کا تذکرہ اس وثوق کے ساتھ کرو، گویا وہ بالکل سچ ہے اور وہ اصل واقعہ بے کم و کاست بیان کر دے گا۔ مثلاً تم کہو گے ''سنا ہے منگل کے روز دہشت گردوں نے بجلی گھر کو بم سے اڑا دینے کی کوشش کی تھی اور حکومت اس بارے میں اعلان بھی کرنے والی ہے۔ کیا آپ نے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟'' اور آپ کا ''ذریعہ'' یہ گمان کرتے ہوئے کہ آپ کو پہلے ہی سے سب کچھ معلوم ہے، بے ساختہ کہے گا، میرے واسطے یہ بات ''آف دی ریکارڈ'' ہے، لیکن تم نے جو کچھ سنا، ٹھیک سنا، تین علیحدگی پسندوں نے پلانٹ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

ایک مثال:

میرے عزیز قاری: ہم ذرا دیر کے لیے فرض کر لیتے ہیں کہ آپ قومی روزنامہ ''فرائی ڈے ٹائمز'' میں مواصلات کے شعبے کے رپورٹر ہیں۔ آپ نے مواصلات کے مسائل پر دوسرے اخبارات کے فائل بھی بغور پڑھ لئے ہیں اور ٹریفک کی خوفناک صورت حال پر مقامی حکومت کی جانب سے جو رپورٹیں مرتب کی جا چکی ہیں، آپ نے ان کا مطالعہ بھی کر لیا ہے۔

اب آپ لاہور میں ٹرانسپورٹ کے محکمے کے سربراہ کے دفتر میں بیٹھے چائے پی رہے ہیں، ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان آپ کے ذہن میں یہ سوالات کلبلا رہے ہیں، جنہیں آپ پوچھنا چاہیں گے۔ آپ کے خیال میں لاہور میں سڑکوں کی صورت حال کیا ہے؟ پاکستان کے دوسرے شہروں کی سڑکوں کے مقابلے میں آپ انہیں کیا کہیں گے؟ ان میں کس طرح کی اصلاح کی گنجائش ہے؟ بدترین مسائل کس جگہ ہیں؟ کیا شہر میں مزید سڑکوں یا شاہراہوں کی ضرورت ہے؟ آپ اپنے منصبی فرائض میں کن کاموں کو اولیت دیتے ہیں؟ آپ نے کس نوع کی کامیابیاں حاصل کی ہیں؟ کیا اصلاح احوال کے لیے آپ کے پاس معقول رقم موجود ہے؟ آپ کے محکمے میں بجٹ کی صورت حال کیا ہے؟ کس مد میں کتنی رقم صرف کی جائے گی؟ خود آپ کا محکمہ کس نوع کے مسائل و مشکلات سے دوچار ہے؟

یہ وہ چند سوالات ہیں جو بالکل بدیہی ہیں اور کوئی بھی رپورٹر اسی طرح کے سوالات پوچھے گا۔ ان کے جواب سنتے وقت آپ نوٹ لیتے جائیں اور آئندہ منصوبوں کی

تفصیل ضرور درج کریں۔ ایک سال کے بعد آپ ان کے انہی جوابات کے مقابلے میں ان کی کارکردگی کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ اب آپ محکمے کے سربراہ سے واقف ہو چکے ہیں' آپ کو جو اعداد و شمار فراہم کئے گئے تھے ان سے آپ نے محکمے کی کارکردگی کے بارے میں موافق رائے قائم کر لی تھی۔ سرکاری اہلکار اس لیے نہیں بھرتی کئے جاتے کہ ہمیشہ آپ سے سچ بولتے رہیں، انہیں اس لئے ملازم رکھا گیا ہے کہ وہی کچھ کہیں جو عام لوگ سننا چاہتے ہیں۔ ایک پرانا صحافیانہ مقولہ ہے: ''سرکاری افسر پر کبھی بھروسہ مت کرو۔ وہ سب جھوٹے ہوتے ہیں۔''

اب آپ کیا کریں گے؟ آیئے اس کے معاون عملے سے ملتے ہیں۔ ان سے بھی نیچے اتر کر ماتحتوں سے بات کرتے ہیں۔ آپ انہی میں سے چند دوست بنایئے۔ ان سے پوچھئے کہ ان کے خیال میں شہری مواصلات کے بڑے بڑے مسائل کیا ہیں؟ اگر محکمے کے سربراہ کا کوئی سخت گیر نقاد مل جائے تو اس سے ضرور بات کیجئے۔ ملازمین اپنے ''باس'' کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، چلئے، وہ ''آف دی ریکارڈ'' سہی۔ کیا وہ منصف مزاج ہے؟ مستعد ہے؟ اس کی خوبیاں کیا ہیں؟ کمزوریاں کیا ہیں؟ میل جول کس طرح کے لوگوں سے ہے؟ کیا سیاست دان کے اضلاع کے درمیان سڑک سیاسی خوشنودی کی خاطر تعمیر کی جا چکی ہے؟ کیا محکمے نے اس پر زر کثیر صرف کیا ہے؟ بجٹ کی ایک نقل حاصل کر کے اسے اچھی طرح پڑھ کر سمجھ لیجئے، سمجھ میں نہ آئے تو کسی اور کی مدد سے سمجھئے۔

آپ کا دوسرا قدم یہ ہوگا کہ شہری حلقوں اور سیاست دانوں سے بات کیجئے۔ کیا شہریوں کا کوئی خاص گروپ ایسا ہے جو شہر میں مواصلات کی مشکلات و مسائل پر نظر رکھتا ہے یا کوئی حلقہ اس کے قریب کا ہے؟ اگر ایسا ہو تو اس کے ترجمان کا سراغ لگایئے اور ان لوگوں سے بات کیجئے۔ شہر میں ٹریفک کے مسائل پر ان کی رائے معلوم کیجئے۔ کسی مقامی نمائندے یا صوبائی وزیر سے جو ٹرانسپورٹ کے مسائل سے دلچسپی رکھنے کے علاوہ اس بارے میں مہارت بھی رکھتا ہو، ملاقات کر کے اس کے خیالات معلوم کیجئے۔

کچھ وقت مزید چھان بین پر صرف کیجئے۔ کیا حکومت کے اندر یا کسی یونیورسٹی میں کسی شخص نے لاہور میں مواصلات کے مسائل پر تحقیق کی ہے؟ ذرا معلوم کیجئے اور اگر اس بارے میں کوئی دستاویز مل جائے تو اسے ضرور پڑھئے۔ اس کی اہم عبارت پر نشان

لگاتے جائیے۔ اس کی تصدیق کے لیے کسی علاقائی یا بین الاقوامی رپورٹ سے مدد لیجئے۔ لاہور کی صورت حال کراچی یا برصغیر کے دوسرے بڑے شہروں کے مقابلے میں کیسی ہے؟ ان رپورٹوں سے بجائے خود بہت سی خبریں نکل آئیں گی۔

اب آپ مواصلات کے اہم مراکز کا معائنہ کیجئے۔ کیا کسی جگہ کوئی ترقی نظر آتی ہے؟ جن جگہوں پر مرمت لگی ہوئی ہے، کیا وہاں کام میں بہت دیر ہو رہی ہے؟ اس کے ٹھیکیدار کون ہیں؟ کیا مواصلات کے محکمے کے سربراہ سے ان کی رشتہ داری ہے (اس پر نظر رکھئے کوئی تحقیقاتی خبر مل سکتی ہے)

اس وقت تک مواصلات کے مسائل و معاملات پر آپ نے وہ سب کچھ معلوم کر لیا ہوگا جو کوئی بھی سمجھدار آدمی جاننا چاہے گا۔ آپ نے صحیح لوگوں سے گفتگو کر لی، تحقیق بھی کر لی اور دستاویزات بھی پڑھ لی ہیں۔ اب آپ کا دوسرا بڑا قدم یہ ہوگا کہ مواصلات کے مسائل پر ہونے والے اجلاس میں بھی شریک ہوں۔ کمیٹی کے ارکان کے چہرے اچھی طرح پہچان لیں۔ کبھی ان سے ایک آدھ ملاقات چائے پر بھی ہو جائے۔ آپ اپنے کام میں دلچسپی ظاہر کریں۔ آپ کا رویہ ایک واقف کار آدمی کا سا ہونا چاہیے۔ لیکن بہت زیادہ آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ کسی کو خوش کرنے کے لیے آپ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ اس کی باتیں غور سے سنیں۔ وہ اپنی ناکامیوں، کامرانیوں اور دشواریوں سے آپ کو آگاہ کرے گا۔ آپ کو سننے کا ہنر سیکھنا ہوگا۔

آپ کو ہر جگہ متعارف ہونا چاہئے۔ جہاں جائیں، آپ کا چہرہ جانا پہچانا ہو۔ اپنے چند اچھے ذرائع کی فراہم کردہ اطلاع سے کام لے کر ان کا اعتماد حاصل کریں، لیکن یہ اطلاعات ان کے خلاف استعمال نہیں ہونی چاہئیں۔ ان ذرائع اور محکموں کے ساتھ جو آپ کے ذمے ہیں، ہر روز رابطہ اور میل جول رکھیں۔ اہم اجلاس میں شریک ہوں۔ ہر روز اپنی بیٹ کی خبر لیتے رہیں، وہ اس طرح کہ کبھی کسی سے انٹرویو کریں۔ کبھی کسی کی باتیں سنیں، لکھتے رہیں اور خبروں کے حصول کی خاطر نئے ذرائع تلاش کرتے رہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ اپنے آپ پر بھی نظر رکھیں۔ مثلاً کوئی ذریعہ یہ کوشش بھی کر سکتا ہے کہ رپورٹر کو استعمال کر کے کسی محکمے میں افتراق پیدا کر دے، کسی افسر کا تختہ الٹ

دے یا حکومت کو کمزور کرنے کے درپے ہو۔ اخبارات کے پاس غیر معمولی طاقت ہوتی ہے۔ لہٰذا رپورٹر کو ایسے لوگوں سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہئے جو اسے اپنے مقاصد کے تحت استعمال کرنا چاہیں گے اس طرح کے جال سے چوکس رہنا ہوگا۔

کسی اخبار میں بہ لحاظ تعداد جس قدر بیٹ ہوسکتی ہیں، اگر ان میں سے فرداً فرداً ہر بیٹ کی خبریں فراہم کرنے کا طریقہ بیان کیا جائے تو یہ کتاب انہی تفصیلات سے بھر جائے گی، لہٰذا اس صورت حال سے بچنے کے لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ ان بیٹ پر توجہ صرف کی جائے جو بہت عام ہیں، مثلاً سیاست، پولیس، آتش زدگی، تعلیم اور تجارت کے شعبے اس سلسلے میں تجاویز تقریباً ملتی جلتی ہیں۔ اس کتاب کے مصنف نے پاکستان میں سیاست اور تعلیم کے شعبوں کی رپورٹنگ کبھی نہیں کی، لہٰذا یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ ان شعبوں کے رپورٹر اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے معمول کے وہی طریقے اختیار کرتے ہوں گے جو اسلام آباد یا واشنگٹن میں مروج ہیں۔ فرق وہاں پیدا ہوتا ہے، جب یہ سوال درپیش ہو کہ رپورٹر کتنا باخبر ہے اور کس قدر چھاپ سکتا ہے۔ ہمارے مقاصد کے پیش نظر بیٹ رپورٹر کے لئے یہاں کچھ طریقے تجویز کئے جاتے ہیں، جن کی حیثیت ابتدائی نکات کی ہے جو کسی نو آموز رپورٹر کو نئی نئی باتیں سمجھا سکتے ہوں رفتہ رفتہ جب وہ اپنے پیشے میں آگے بڑھے گا تو خود اپنے طریقے وضع کرلے گا۔

سیاست:

کسی بھی ملک میں کارکردگی کا مرکز سیاست ہوتی ہے زندگی کا ہر پہلو سیاست کے محور پر صحیح یا غلط سمت گردش کرتا ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں حکومتوں کا کردار کچھ اور بھی زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ اپنے اپنے ملک میں تجارت اور صنعت کے 70 تا 90 فیصد حصے کی مالک ہوتی ہیں۔ لہٰذا کاروبار، زراعت اور صنعت کے شعبوں میں جو بھی قدم اٹھایا جائے، اس میں سرکاری حکام اور سرکاری پروگراموں کی شمولیت یقینی ہوجاتی ہے۔

حکومت اور حکومتی امور کی رپورٹنگ کرنے والے خبر نگاروں کے لئے لازم ہے کہ وہ اس امر سے واقف ہوں کہ فیصلے کس طرح کئے جاتے ہیں اور بااثر شخص کون ہے۔ سیاسی امور کی رپورٹنگ کرتے ہوئے اسلام آباد، لاہور اور دوسرے شہروں کے رپورٹر

عام طور پر وہی طرزِ عمل اپناتے ہیں، جو امریکہ اور مغربی ملکوں کے رپورٹر اختیار کرتے ہیں۔ کامیاب سیاسی نامہ نگاروں کے اپنے ذاتی پیشہ ورانہ انداز ہوتے ہیں لیکن ان کے درمیان بہت سے اسالیب اور خصوصیات مشترک ہوتی ہیں۔

سیاسی رپورٹروں کو فطرتاً سیاست کا نشہ ہوتا ہے۔ وہ سیاست میں جیتے ہیں اور سیاست میں سانس لیتے ہیں، انہیں تقریبات پسند ہوتی ہیں، لوگوں کے احمقانہ طور طریقے، ان کی رعونت اور خوشامدیوں کا جمگھٹا انہیں سب اچھا لگتا ہے۔ بیزار کن جلسوں کو بھی وہ بخوشی برداشت کرتے ہیں تاکہ ان سے کچھ سنسنی خیز خبریں مل جائیں اور سیاسی فیصلوں کی جزیات پر بھی خوب بحث کرتے ہیں۔ سیاست، دنیا کا مرکز ہے اور سیاسی رپورٹر سیاست کا مرکز ہوتے ہیں۔

سیاسی رپورٹنگ کے لیے مارے مارے پھرنا ایک محنت طلب کام ہے۔ اس کے لیے بڑی توانائی، چلت پھرت، چالاکی اور تنقید و توہین برداشت کرنے کا حوصلہ درکار ہے۔ حکومتوں کی انتظامیہ سیاسی نامہ نگاروں کو ہمیشہ اچھی نظر سے نہیں دیکھتیں لیکن ایک ایسے رپورٹر کو جو اچھے مراسم اور ذرائع رکھتا ہو اور جو اپنے صاحب کردار ہونے کی بنا پر دباؤ برداشت کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، اپنے مستقل قاریوں کا اعتماد اور ایڈیٹر صاحبان کا تعاون حاصل رہتا ہے۔

سیاسی رپورٹنگ کی کلید کامیابی ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

- پہلے یہ سمجھئے کہ آپ کا سیاسی نظام کس طرح کام کرتا ہے۔ ایک بل کس طرح قانون بنتا ہے۔ جب کوئی بل پیش ہوتا ہے تو اسے ناکام کس طرح بناتے ہیں۔ اس میں ترمیم کس طرح ہوتی ہے، اسے واپس کس طرح لیا جاتا ہے۔ کمیٹیاں کس طرح کام کرتی ہیں کون سے ادارے اور ایوان کن مسائل کو اولیت دیتے ہیں۔
- اہم کرداروں کے بارے میں واقفیت حاصل کیجئے۔ یعنی سیاست دان، کمیٹی کے چیئرمین، محکموں کے سربراہ، کلیدی عہدیدار، یونین اور آبادی کے کسی حصے کے رہنما، سیاسی پارٹیوں کے قائد اور سیاسی تجزیہ نگار، ان سب کے بارے میں رپورٹر کو علم ہونا چاہیے۔
- آپ کے ذرائع اتنے ہوں کہ گویا آپ نے ایک جال بن رکھا ہے' یہ ذرائع آپ کو

بتاتے رہیں کہ سیاسی اداروں کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ آپ کے لیے خبروں کا ذریعہ کوئی اعلیٰ عہدیدار یا کسی محکمے کا سربراہ بھی ہو سکتا ہے غالباً آپ خبروں میں ان کے ناموں کے حوالے نہیں دیں گے، لیکن وہ آپ کو رازِ دروں پردہ سے آگاہ کرتے رہیں گے۔

- سیاست دانوں کی تاریخ سے واقفیت ضروری ہے، مثلاً یہ بات کہ ان کے ضلع کی طبعی ساخت کیا ہے گزشتہ کامیابیوں میں انہیں کس شرح سے ووٹ ملے تھے، ان کے خاندانی تعلقات کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں، وزیراعظم اور دیگر طاقت ور افراد کے علاوہ مختلف سرکاری اور کاروباری شعبوں کے بااثر لوگوں سے ان کے مراسم کی نوعیت کیا ہے۔
- بجٹ کی منظوری کے مراحل کو بھی سمجھنے کی کوشش کیجئے اور آپ کو یہ علم ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں اگر کوئی الجھن پیدا ہو تو اسے کون سلجھا سکتا ہے۔ بجٹ کی خبریں دیتے وقت اعداد و شمار کی ایک لمبی فہرست پیش کرنے کی بجائے یہ بتائیے کہ جو رقم منظور کی گئی ہے کہ وہ کس طرح خرچ کی جائے گی۔
- ثابت قدمی کا صلہ ضرور ملتا ہے۔ پہلے نرمی سے کام لیجئے، اس کے بعد اپنے موقف پر سختی برتیئے۔ اگر کوئی سیاست دان یا سرکاری عہدیدار کسی اہم مسئلہ پر بیان نہیں دیتا تو بھی اس کے یہاں مسلسل جاتے رہیے، بلکہ بہتر ہوگا کہ اس کے دفتر میں دھرنا مار کر بیٹھ جایئے تاوقتیکہ وہ لب کشائی پر مجبور نہ ہو جائے، چاہے وہ یہی کہہ دے کہ ''میرے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں''
- کوشش کیجئے کہ دوستی آپ کی رپورٹنگ میں خارج نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ رپورٹر جن لوگوں کے بارے میں خبریں دیتے رہتے ہیں ان میں سے بعض افراد کو رفتہ رفتہ پسند کرنے لگتے ہیں، لیکن مثالی بات یہی ہے کہ سبھی لوگوں کے ساتھ انصاف برتا جائے۔ اگر کوئی اطلاع قارئین کے لیے قیمتی ہے تو کسی دوست کو بچانے کے لیے اسے چھپانا نہیں نہیں چاہیے۔
- جب بھی کہیں جایئے، تیار ہو کر جایئے۔ ملاقاتوں سے اور اجلاس میں شرکت سے پہلے یہ معلوم کر لیجئے کہ اہم مسائل کیا ہیں۔

- آپ کی تحریر کا مقصد لوگوں کو اطلاع فراہم کرنا ہے، نہ کہ ان پر اپنے زور بیان کی دھاک بٹھانا۔ لوگوں کو بتایئے کہ کسی فیصلے کے اثرات ان پر کس طرح مرتب ہوں گے، اصطلاحات سے کھیلنے یا عالمانہ انداز اختیار کرنے سے بچئے۔ تحریر میں سادگی سے بہتر کوئی بات نہیں۔
- سوالات کیجئے۔ اگر کوئی رپورٹر کسی مسئلہ کو خود بھی نہیں سمجھتا تو اس کے قاری کس طرح سمجھیں گے۔ محکموں کے سربراہوں سے، سیاست دانوں سے، یا دیگر ایسے افراد سے سوالات پوچھئے جو آپ کو جواب فراہم کر سکتے ہوں۔
- سیاست دان کے اپنے ضلع میں جو تعلقات اور مراسم ہوں اور جہاں آپ کے اخبار کے قارئین ہوں ان کے بارے میں باخبر رہیے۔ کیونکہ سیاست دان ان سے وقتاً فوقتاً خطاب کرتے ہوں گے باقی رہے آپ کے قارئین تو کیا انہیں آپ کے ذریعے سے اہم خبریں ملتی رہتی ہیں؟
- دوسرے اخبارات و جرائد کو بھی پڑھتے رہیے۔ اس بات پر بھی نظر رکھیے کہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کس طرح خبریں دے رہے ہیں رپورٹروں کو اکثر ایک دوسرے کے کام سے نئی نئی باتیں سوجھتی ہیں۔ بہرطور آپ کے حریف ادارے کیا نشر کرتے ہیں اور کیا کچھ شائع کرتے ہیں، انہیں دیکھنا، ان کی سننا اور انہیں پڑھنا اک اچھا تجربہ ہوتا ہے۔

پولیس اور آتش زدگی:

جن لوگوں کو پولیس کی رپورٹنگ سے روزمرہ سابقہ پڑتا ہے، انہیں افسوسناک، مایوس کن، المیہ، سنسنی خیز اور انتہائی پرلطف صورت حال بھی درپیش ہوتی رہتی ہیں۔ جب تک کوئی رپورٹر سخت کوش اور اپنے کام میں چست نہ ہو، پولیس رپورٹنگ مشکل ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو تباہ کن حادثے، مردہ جسم، تباہی کے بکھرے ہوئے آثار، منشیات کے اڈوں پر چھاپے، یہ ساری باتیں لرزہ خیز ہوتی ہیں لیکن پھر ایک دو ماہ بعد، یہی باتیں روزمرہ کا معمول بن کر اپنی سنگینی کھو دیتی ہیں۔ پولیس کی بیٹ میں رپورٹنگ کرتے ہوئے زندگی کی بے انصافیوں اور عام لوگوں کی حماقتوں کا ہر روز مشاہدہ ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی پولیس اور آتش زدگی سے متعلق رپورٹنگ میں انسانی فطرت کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے اس لحاظ سے یہ ایک ہیجان انگیز کام ہے۔ مثلاً رپورٹر ایک ایسی خاتون کے پہلو میں کھڑا ہے جو اپنے مکان کو جلتا ہوا بے بسی سے دیکھ رہی ہے، یا منشیات کے دھندے میں لین دین کے جھگڑے کی وجہ سے خونی تصادم ہوتا ہے اور رپورٹر کی نظروں کے سامنے بیچ سڑک پر ایک لاش پڑی ہے، ان سب مراحل کے درمیان پولیس رپورٹنگ تحیر آمیز، دہشت خیز اور دردناک سبھی کچھ ہو سکتی ہے۔

پولیس رپورٹنگ کے معمولات بھی سیاسی رپورٹنگ سے ملتے جلتے ہیں۔ مختلف محکموں کے سربراہوں سے اور پولیس کی بالادست کمیٹیوں کے ارکان سے واقفیت ایک لازمی امر ہے۔ اہم افراد سے اور ان کے ناموں سے شناسائی بھی ضروری ہے۔ لیکن انتہائی ضروری بات یہ ہے کہ خود محکمے میں کچھ معتبر ذرائع پیدا کئے جائیں جن پر قابل اعتماد اور درست خبروں کے حصول کے سلسلے میں بھروسہ کیا جا سکے۔

پولیس کے عہدیداروں کی آپس میں گہرا رابطہ ہوتا ہے جو بہ اعتبار مجموعی اخبارات سے رابطے کو پسند نہیں کرتے۔ ان کا اکثر یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے کسی رپورٹر سے بات کر لی اور پولیس کے اعلیٰ افسر کو خبر ہوگئی تو وہ انہیں نوکری سے جواب دے دے گا جہاں پولیس کے ساتھ معاملہ ہو وہاں اکثر اوقات قانونی مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں جن کی بنا پر پولیس رپورٹر کے ساتھ بات کرنے میں تامل کرتی ہے، مباداً مقدمہ عدالت میں پہنچ کر خراب ہو جائے (مغربی ممالک میں تو یہ صورت حال اچھا خاصا مسئلہ بنی ہوئی ہے)

اس کے باوجود محکمے میں ایسے چند افسر یا ملازم ہمیشہ موجود ہوتے ہیں جو اپنے اعتماد کے رپورٹر کو خود گمنام رہتے ہوئے خبریں فراہم کر سکتے ہیں، ایسے افراد کی تلاش میں کچھ وقت تو لگتا ہے لیکن رپورٹر کو ان کی تلاش جاری رکھنی چاہیے۔

جب جرائم کی خبریں حاصل کرنا ہوں تو رپورٹر کو جائے وقوعہ پر خود موجود رہنے کو ترجیح دینی چاہیے، اس وقت اس کا فرض ہے کہ ذمہ دار افسروں سے بات کرے اور عینی شاہدوں سے بھی پوچھ گچھ کرے۔ جائے وقوعہ کا معائنہ کرنا، اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ پولیس سے ٹیلیفون پر واقعہ کی تفصیلات معلوم کرے۔ اس دوسری صورت میں تو اس کی

رپورٹ روکھی پھیکی عبارت کا مرقع اور ایک طرح کی کھتونی ہوگی۔ عینی شاہدوں کے اپنے الفاظ کے اضافے سے پولیس کی فراہم کردہ رپورٹ میں جان پڑ جاتی ہے، اس طرح ایک ذہین رپورٹر کسی واقعہ کے بارے میں پولیس کے موقف اور عینی شہادتوں کے درمیان ایک تقابل پیش کر سکتا ہے۔ بسا اوقات عینی شاہدوں کے بیانات ایک سے ہوتے ہیں، خاص طور پر اس وقت جب اس وقوعے میں پولیس کے تشدد کا عنصر شامل ہو۔

جرائم سے متعلق ایک عام خبر میں، مثلاً قتل، ڈکیتی یا کار کے حادثے میں درج ذیل حقائق کی صراحت ضروری ہے۔

- مضروب یا مضروبین کے نام
- وقوعے کی جگہ، وقت، دن، گرفتاری اور حادثے کی تفصیل
- جرم یا حادثے کی تفصیل اور گرفتاری
- اگر کوئی زخمی ہو تو اس کی کیفیت کا بیان۔ تفصیلات فراہم کرنے کے لیے ہسپتال یا مردہ خانے میں جانا ضروری ہوگا۔ (کسی زندہ شخص کو مردہ ہرگز نہ لکھیے)
- اگر فتارشدگان کے نام، عمر اور پتے وغیرہ
- پولیس افسران، مشکوک لوگوں، مضروبین اور آس پاس موجود پائے جانے والوں کے بیانات، ان کے اپنے الفاظ میں ہر بات کی تصدیق دوبارہ کر لینا اچھا ہوتا ہے۔ پولیس افسر تقریباً ان پڑھ ہوتے ہیں، حتیٰ کہ امریکہ میں بھی۔ بہت سے لوگ ہم نام ہوتے ہیں، لیکن ان کے درمیان تفریق کے لیے ان کے پتے اور عمر کو یاد رکھنا ضروری ہے۔

تمام خبروں کی طرح جرائم کی خبریں بھی ترتیب سے دی جاتی ہیں۔ رپورٹروں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ابتدائی پیراگراف میں واقعات کے خلاصے پیش کر دیں اور اس میں مرنے والوں کے ناموں اور بہت زیادہ تفصیلات کا ہجوم نہ ہونے پائے۔ البتہ خبر کی جملہ باتوں کو دوسرے اور تیسرے پیراگراف میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

ذرا دیر کے لیے تصور کیجیے کہ لاہور میں ایک ٹرک اور تانگے کی ٹکر ہوگئی۔ اس خبر کی ''لیڈ'' کچھ اس طرح ہوگی:

''ٹانگے کے چار مسافر کچلے جانے کے باعث اس وقت جاں بحق ہو گئے جب گذشتہ منگل کی سہ پہر کو پیچھے سے آتے ہوئے ایک تیز رفتار ٹرک نے ٹانگے کو ٹکر ماردی۔ یہ حادثہ شالیمار باغ کے قریب ایک پرہجوم چوک میں اس وقت پیش آیا، جب سڑک پر ٹریفک کا ہجوم تھا۔ ٹانگہ ٹرک کے نیچے آ کر بری طرح کچلا گیا۔''

آتش زدگی:

''لیڈ'' کی ہلاک شدگان کی تعداد اور نقصان کی سنگینی کا بیان آ گیا-خبروں میں درج ذیل امور کا بیان ضروری ہے:

- حادثے کی جگہ اور وقت
- زخمیوں یا ہلاک ہونے والوں کے نام اور ان کی ہلاکت کا سبب جائے حادثہ کا نظر نامہ
- واردات کی تفتیش اور پولیس افسروں کا بیان
- اگر وہ آتش زدگی کا واقعہ ہے تو عمارت کے مالک کا نام
- عمارت کی مالیت اور اس میں ہونے والے نقصان کا تخمینہ
- بیمہ کرنے والے ادارے کا نام
- آگ بجھانے والوں کے پہنچنے کا وقت۔ وہ لوگ جائے وقوعہ پر کتنی دیر بعد پہنچے۔
- آگ پر قابو پانے میں انہیں کتنا وقت لگا۔
- آگ بجھانے والے جائے وقوعہ پر کتنی دیر تک موجود رہے۔
- آتش زدگی کی اطلاع کب اور کس شخص نے دی۔ اگر وہ موجود ہو تو اس کا تذکرہ ضرور کیجئے۔
- پولیس حکام آگ بجھانے والوں اور جائے حادثہ کے قریب پائے جانے والے لوگوں کے بیانات، ان کے اپنے الفاظ میں۔

فطری طور پر آپ کی خواہش ہوگی کہ آتش زدگی کے اس حادثے میں رونما ہونے والے جاں بازی کے کچھ واقعات کی آمیزش کی جائے۔ بہترین لیڈ یہ ہوگی کہ قارئین کو فی الفور یہ بتایا جائے کہ آگ کہاں لگی کتنے آدمی ہلاک ہوئے اور یہ حادثہ کب رونما ہوا۔

مرنے والوں کے نام اور جائے وقوعہ کی ٹھیک نشاندہی دوسرے پیراگراف میں کی جاسکتی ہے۔اب ہم نمونے کے طور پر یہاں ایک فرضی واقعہ اوراس کی لیڈ درج کرتے ہیں:

''چار افراد ہلاک اور چھ افراد اس وقت شدید زخمی ہو گئے جب
یونیورسٹی ٹاؤن کی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں منگل کی سہ پہر کو آگ لگ
گئی اور سارا جمر دو کمپلیکس راکھ کا ڈھیر بن گیا۔''

ایک پختہ کار رپورٹر یہ خبر دیتے وقت کوشش کرے گا کہ متاثرہ خاندانوں کے افراد کے بیانات بھی درج کرے، جنہیں اس حادثے میں جانی یا مالی نقصان اٹھانا پڑا۔اگر یہ لوگ بولنا نہ چاہیں تو رپورٹر کو چاہیے کی خاموشی سے واپس آجائے، غم زدہ کنبوں کو اپنا سوگ منانے دے۔

تعلیم:

تقریباً سبھی اخباروں میں تعلیم کی بیٹ کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔اس میں یقیناً ان تمام قارئین کی دلچسپی ہوتی ہے، جن کے گھروں میں چھوٹے بچے ہیں، لڑکے لڑکیاں ہیں اور کالج جانے والے نوجوان ہیں۔ یہ اتنا وسیع موضوع ہے کہ اس بارے میں لاتعداد مذاکرے، مباحثے اور سمپوزیم ہو سکتے ہیں۔ پاکستان اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں یہ شعبہ اس لیے بھی اہمیت اختیار کر چکا ہے کہ یونیورسٹیوں کے کیمپس اضطراب اور خلفشار کی آماجگاہ بن چکے ہیں، چنانچہ تعلیم کے شعبے میں خبر رسانی کا معاملہ ویسا ہی ہے، جیسے سیاست کا موضوع۔ بدقسمتی سے ان دونوں شعبوں کے مسائل بھی آپس میں گتھے ہوئے ہیں۔

تعلیم کی بیٹ پر جو رپورٹر متعین ہو اسے چاہیے کہ سب سے پہلے اپنے دائرہ کار کا تعین کرے۔ کیا اسے ابتدائی درس گاہ سے لے کر کالج کی سطح تک رپورٹنگ کرنی ہوگی؟ فرائض کا تعین ہو جانے کے بعد اسے اپنا کام اسی طرح شروع کرنا چاہیے جس طرح دوسرے شعبوں کی رپورٹنگ میں ہوتا ہے یعنی پہلے تو اسے اس امر کا جائزہ لینا چاہیے کہ متعلقہ افراد کون ہیں--اسکول کے بورڈ کے ارکان، کالج کے صدور، اہم اسکولوں کے پرنسپل، طلبہ کے گروپ، برادریوں کے گروپ اور نجی تعلیمی اداروں کے منتظم اور ذی فہم لوگ اور حکومتی اداروں کے کرتا دھرتا جو تعلیم کے شعبے کو سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔ان سب کے بارے میں رپورٹر کو علم ہونا چاہیے۔ درس گاہوں میں آمدنی کے وسائل کیا ہیں اور ان

کے مالی ڈھانچے کس نوع کے ہیں، نیز یہ کہ سالانہ آمدنی کتنی ہے اور اس میں اضافہ ہو رہا ہے یا کمی ہو رہی ہے، ان امور کا علم ضروری ہے۔ اپنے علاقے میں تعلیم کے جن پروگراموں پر عمل ہو رہا ہو، ان سے بھی آگاہی ہونی چاہیے۔

تعلیمی اداروں میں مختلف مسائل پر بے تحاشہ کام ہوتا ہے اور دستاویزات کا ایک پورا دفتر تیار ہو جاتا ہے۔ تعلیمی رپورٹر ان میں سے بہترین رپورٹ کا سراغ لگا کر اسے حاصل کرتے اور پڑھتے ہیں۔ وہ یہ معلوم کرتے ہیں کہ قومی سطح پر اور ملک کے دوسرے علاقوں میں جو کام ہو رہا ہے، ان کے اپنے شہر میں اس کام کی نوعیت اور کیفیت کیا ہے۔ جب تعلیمی اصلاحات نافذ ہوں تو ان کا بھی علم ہونا ضروری ہے۔ تعلیمی رپورٹروں کے لیے لازم ہے کہ بجٹ کو بھی سمجھیں۔ کیا بجٹ میں اضافہ ہو رہا ہے؟ وہ کون سے پروگرام ہیں، جن کو زیادہ فنڈ دیا جا رہا ہے اور کسے کم؟ عام لوگوں کو ان باتوں سے دلچسپی ہوگی، کیونکہ تعلیم کا شمار ان شعبوں میں ہوتا ہے، جن پر خرچ ہونے والا سرمایہ سب کو نظر آ جاتا ہے۔

آخری بات یہ کہ تعلیم کی بیٹ ایک ایسا شعبہ ہے، جہاں سے فیچر ہی فیچر دستیاب ہوتے ہیں، مثلاً اساتذہ کے بارے میں فیچر، طلبہ کے بارے میں فیچر اور مختلف منصوبوں پر ہونے والے کام کی تفصیلات جن سے اچھے فیچر نکلتے ہیں۔ تعلیم کی نوعیت تبدیل ہوتی رہتی ہے اس میں ایسے سرپھرے لوگ بھی مل جائیں گے جو دنیا کو یکسر بدل دینا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے بھی تعلیم کی بیٹ کو بے مزہ نہیں کہہ سکتے۔

کاروبار:

گذشتہ عشرے کے اندر کاروباری امور کی رپورٹنگ نے غیر معمولی اہمیت اختیار کر لی ہے، اخبارات اور مجلوں کے اوراق میں اسے نمایاں اہمیت دی جانے لگی ہے۔ صحافت کا یہ وہ شعبہ ہے جس نے مسلسل ترقی کی ہے اور جس میں برابر توسیع ہوتی جا رہی ہے پاکستان کی معیشت جیسے جیسے ترقی کر رہی ہے اور نجی صنعت اپنے وجود کی اہمیت منوا رہی ہے، کاروباری رپورٹنگ کی اثر آفرینی میں اضافہ ہوتا آیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب اس موضوع کو ہی خشک اور بے مزہ سمجھا جاتا تھا اور اس کی خبروں کو اخبار کے آخری اوراق میں جگہ ملتی تھی، کاروبار کے صفحے کو اب ہزاروں قارئین ذوق وشوق سے پڑھتے

ہیں اوراس میں الگ الگ شعبے نکل آئے ہیں۔

کاروبار کا تعلق انسانی سرگرمی سے ہے، یہ ازخود پیدا نہیں ہوتا۔ کاروباری امور کے چند نصاب اگر پڑھ لیے جائیں تو اس طرح پتہ چل سکتا ہے کہ مارکیٹ کا دھندا کس طرح چلتا ہے اور عالمی بینک اور عالمی مالیاتی فنڈ کا کرادر کیا ہے۔ یہ تو کاروبار کو سمجھنے کا ایک طریقہ ہوا۔ تاہم کسی بھی ترقی پذیر ملک میں کاروباری امور پر لکھنے والے مصنف کو لازمی طور پر یہ علم ہونا چاہیے کہ مذکورہ دونوں ادارے تیسری دنیا کی حکومتوں کو سرمائے کی فراہمی میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں۔ کراچی، لاہور، لندن اور نیویارک کی اسٹاک مارکیٹیں کس طرح کام کرتی ہیں اور پاکستان کی معیشت پر اس کے اثرات کس طرح مرتب ہوتے ہیں، رپورٹر کو بہرطور ان کا علم ہونا چاہیے اور آخری بات یہ کہ سادہ اقتصادی معمولات کا علم بھی ضروری ہے مثلاً اخراجات، کساد بازاری، مندا، سرکاری مداخلت، قومی اور نجی ملکیت، منڈی، کاروباری ضابطے اور بینک کاری وغیرہ۔

کاروباری افراد اور ان میں مردوں کے علاوہ خواتین بھی شامل ہیں، کبھی کبھی اخبار والوں سے بات کرنے میں پس وپیش کرتے ہیں، انہیں یہ تشویش لاحق رہتی ہے کہ کسی رپورٹر نے ان کے بیان کو غلط سمجھ کر کچھ اور لکھ دیا اور اجارہ داروں اور گاہکوں نے اسے پڑھ لیا تو ان کے کاروبار کو خسارہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ بہت حساس ہو سکتے ہیں۔ رپورٹر جن ذرائع سے خبریں حاصل کرتے ہیں اور جن افراد سے انٹرویو کرتے ہیں، ان سب کو یقین ہونا چاہیے کہ ان کے الفاظ کی اشاعت سے بیشتر صورتوں میں انہیں مالی نقصان نہیں ہوگا۔ جب کوئی کاروبار مسائل سے دوچار ہو اور رپورٹر اس کے مالک سے انٹرویو کرنا چاہتا ہو تو اسے یہ اطمینان دلانا چاہیے کہ اس خبر کے سلسلے میں مجھے آپ کے موقف سے دلچسپی ہے تاکہ اسے شائع کیا جا سکے۔

کاروباری امور پر لکھنے والے صحافیوں نے نو آموز رپورٹروں کی رہنمائی کے لیے درج ذیل نکات مرتب کئے ہیں:

- مالیاتی خبروں کے تراشوں کی ایک فائل تیار کیجئے۔
- بینک کاری کے مجلوں سے لے کر ''اکانومسٹ'' تک، جس قدر مطبوعات میسر

ہوں ان سب کو پڑھئے۔ قومی اور بین الاقوامی مالیات سے متعلق خبروں کا برابر مطالعہ کرتے رہیے۔

- حقائق، اعداد اور پیچیدہ اقتصادی شماریات کا تجزیہ کس طرح کیا جاتا ہے اور انہیں صراحت کے ساتھ کس طرح بیان کیا جانا چاہیے، اس کا سلیقہ سیکھئے۔
- سرکاری اور بڑے بڑے کاروباری اداروں کی سالانہ اور سہ ماہی رپورٹوں کو پڑھتے رہیے۔
- کاروبار، حکومت اور بنک والوں کی برداری میں مراسم پیدا کر کے اپنے ذرائع تیار کیجیے۔
- پیشہ ورانہ انجمنوں سے جو مختلف کاروباری اداروں کی نمائندگی کر رہی ہوں، مثلاً ایوان تجارت اور دیگر تجارتی انجمنوں سے برابر رابطہ رکھیں۔
- کراچی کی منڈیوں کا رجحان کیا ہے، صوبے میں اقتصادی ترقی کی صورت حال کیا ہے، حکومت کی پالیسیاں اور کاروباری شعبوں کے پروگرام کیا ہیں، قرض دینے والے بین الاقوامی ادارے کیا فیصلے کر رہے ہیں، رپورٹر کو ان سب کا علم ہونا چاہیے۔

کاروباری خبریں بھی اپنی ساخت میں ویسی ہی ہوتی ہیں جس طرح دوسری خبریں بعض اوقات معمول کے اخباری انداز میں لیڈ بنانے سے زیادہ دلچسپ اور دلکش فیچر کا اسلوب ہوتا ہے جیسا کہ وال اسٹریٹ جرنل میں نظر آتا ہے، پھر بھی بہ اعتبار مجموعی معکوس اہرام کا طریقہ ہی بہترین ہے۔

کاروباری خبریں لکھنے والوں کے لیے ایک ضروری احتیاط۔ ہرگز اس گمان میں نہ رہیے کہ آپ کے قارئین منڈیوں اور کاروبار کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک پیچیدہ موضوع ہے اور غیر کاروباری لوگوں کو اچھی طرح ہر بات سمجھانا ضروری ہو جاتا ہے، لہٰذا جب کوئی رپورٹر ''مجموعی قومی پیداوار'' کی اصطلاح استعمال کر رہا ہو تو قارئین کو یہ بتا دینا اچھا ہوتا ہے کہ اقتصادیات کے ماہرین نے اس بارے میں اعداد و شمار کس طرح مرتب کیے۔

ایک آخری بات:

رپورٹنگ کی ہر بیٹ میں حالات و واقعات، تیزی سے رونما ہوتے ہیں۔ اگر

کوئی رپورٹر مسائل پر حاوی نہیں ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ہمیشہ تازہ دم اور مقابلے پر آمادہ رہیے۔ نام، چہرے اور مسائل، ان سب سے آگاہی ضروری ہے۔ آپ کو افراد اور اداروں کے ماضی کا علم ہونا چاہئے تاکہ ان کے مستقبل کا کسی قدر صحت کے ساتھ اندازہ لگا سکیں۔ علم ہی کلید ہے۔ اچھی رپورٹنگ کا انعام صفحہ اول پر آپ کی خبروں کی اشاعت ہے۔ اس انعام میں آپ کو کچھ دوست ملیں گے اور کچھ دشمن ملیں گے۔ دنیا کا نظام کس طرح چل رہا ہے، اس کا ادراک بھی آپ کا ایک انعام ہے۔

رپورٹر کے لیے ہمیشہ یاد رکھنے والی باتیں:

- میرے موضوع پر ریسرچ سے جو اعداد و شمار حاصل ہوئے ہیں، کیا مجھے ان میں سے اہم اعداد و شمار معلوم ہیں؟
- کیا مجھے خبریں پابندی کے ساتھ مسلسل حاصل ہو رہی ہیں؟
- کیا میں نے چند اچھے ذرائع پیدا کر لیے ہیں، جو مجھے خبریں فراہم کرتے رہتے ہیں؟
- کیا میں صاف اور صریح انداز سے خبریں لکھتا ہوں، کیا ان خبروں سے میری واقفیت کا پتہ چلتا ہے اور میری تحریر اتنی واضح ہے کہ جو لوگ متعلقہ موضوع سے مانوس نہیں، وہ بھی زیر بحث مسائل کو سمجھ لیں؟
- کیا میں ہر روز پیدل گشت کرتا ہوں یا اپنے ذرائع سے رابطہ محض ٹیلیفون پر رکھتا ہوں؟
- کیا میں اہم اجلاس اور تقریبات میں شرکت کرتا ہوں؟
- اور اب کہ موجودہ شعبے میں کام کرتے ہوئے مجھے چھ ماہ ہو چکے ہیں، کیا میں آئندہ واقعات کے بارے میں کسی قدر صحت کے ساتھ پیش گوئی کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں؟

2

انٹرویو کرنا

صحافت کے شعبے میں انٹرویو کو بنیاد کے ایک پتھر کی حیثیت حاصل ہے۔ گھنٹے بھر کی ملا قات کے لیے کسی دفتر میں جا کر بیٹھ جانا یا فون پر کسی سے بہ عجلت تمام کچھ باتیں کر لینا اچھی صحافت کے اجزائے ترکیبی میں یہ بات شامل ہے کہ صحافی صحیح سوالات پوچھنا جانتا ہو اور اس بات سے واقف ہو کہ کس سے اور کب سوالات کئے جائیں۔

رپورٹر، افرادے معلومات حاصل کرنے کے لیے کسی مسئلہ پر یا مختلف مسائل پر ان سے انٹرویو کرتے ہیں جن افراد سے انٹرویو کیا جاتا ہے انہیں اخباری اصطلاح میں بالعموم ''نیوزمیکرز'' یعنی ''خبرساز'' کہتے ہیں، جیسے سیاست دان، سرکاری حکام، ارباب نشاط، فنکار، کاروباری لوگ اور فوجی عہدیدار۔ بہر طور رپورٹروں کا خاصا وقت نچلے درجے کے سرکاری عہدیداروں کے ساتھ بات چیت میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ وہ افراد ہیں جو اخباری اطلاعات میں بے نام رہتے ہیں۔ اسی طرح رپورٹر عام لوگوں سے گفتگو میں معلومات اخذ کرتا ہے یعنی وہ لوگ جو اخباری دلچسپی کے واقعات مثلاً کسی طبعی حادثے، دہشت گردوں کی ہائی جیکنگ، کسی مجرمانہ واردات اور جنگ وغیرہ میں ملوث ہوتے ہیں۔

اچھے انٹرویو کے لیے ضروری ہے کہ انٹرویو کرنے والا رپورٹر خوب تیاری کرے، دھیان سے سوالات مرتب کرے، اپنے ذاتی طرزِ عمل میں خوش طبع اور ایک اچھا سامع ہو، یہ ساری خصوصیات وقت گزرنے کے ساتھ تجربے سے پیدا ہوتی ہیں لیکن جیسا کہ جان بریڈی نے اپنی تصنیف "The Craft of Interviewing" (انٹرویو نگاری کے فن) میں لکھا ہے ''انٹرویو کرنا ایک فن ہے، جس کو معمولی نہیں کہنا چاہیے۔ کوئی صحافی چاہے کتنا ہی اچھا مصنف کیوں نہ ہو، اگر وہ ایک موثر انٹرویو نگار نہیں ہے تو اس کا اسلوب

نگارش بے اثر رہے گا۔ آج کل صحافت میں جس تحریر کو نہایت بیش قیمت اور نادر سمجھا جاتا ہے، وہ بالعموم انٹرویو میں پائی جاتی ہے۔''

ابتدائی سوالات:

کسی شخص کے ساتھ انٹرویو کرنے سے پہلے اخبارنویس کو چند سادہ اور ابتدائی نوعیت کے سوالات خود اپنے آپ سے پوچھ لینے چاہئیں:

- O اس انٹرویو سے مجھے کتنی معلومات درکار ہیں؟
- O کیا ٹیلیفون پر انٹرویو کر لینے سے میری ضرورت پوری ہو جائے گی یا مجھے باقاعدہ وقت مقرر کر کے ملاقات کے لیے جانا ہوگا؟
- O انٹرویو میں کتنا وقت صرف ہوگا؟

بالمشافہ ملاقات اور ٹیلیفون پر گفتگو

کسی واقعہ کے سلسلے میں اگر صحافیوں کو اعداد و شمار اور براہ راست گفتگو کا حوالہ (جسے واوین کے درمیان نقل کیا جائے) درکار نہ ہو تو وہ انٹرویو کے دو طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اول یہ کہ مطلوبہ شخص سے ذاتی طور پر مل لیں دوئم یہ کہ ٹیلیفون پر بات کر لیں۔ بعض اوقات حوالے کی گفتگو کو نقل کرنے اور اعداد و شمار درج کرنے کے لیے بھی صحافیوں کو ٹیلیفون پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ جب وقت بہت تنگ ہو اور اطلاع حاصل کرنا نہایت ضروری تو مطلوبہ ذریعے سے فون پر بات کرنا ایک مجبوری بن جاتی ہے۔

ذرا دیر کے لیے قیاس کیجیے کہ ایک اخبارنویس کو کسی سیاسی رہنما سے تین بنیادی سوالات کرنے ہیں۔ صحافی اگر خود چل کر جائے تو پاکستان کے گنجان آباد شہروں کے درمیان سفر کرنا بالعموم دیرطلب ہوتا ہے۔ دفتر میں بیٹھ کر ملاقات کا انتظار کرے تو اس میں بھی خاصی دیر ہو جانے کا خدشہ ہے۔ پھر چائے کے تکلف میں آدھ گھنٹہ تو لگ ہی جاتا ہے۔ اب جو کام کرنے میں ڈیڑھ گھنٹہ لگتے ہوں، فون پر اگر بروقت کنکشن مل جائے تو وہی کام دس پندرہ منٹ میں ہو جاتا ہے۔

لیکن اس سلسلے میں ایک دوسرا پہلو بھی غور طلب ہے۔ ذاتی طور پر مل کر اگر انٹرویو کیا جائے تو اس کے کچھ اور فائدے بھی ہیں۔ ایسے انٹرویو میں گھبراہٹ اور عجلت

شامل نہیں ہوتی۔ یہ نہیں ہوتا کہ کان سے ٹیلیفون کا ریسیور لگا ہوا ہے اور ہاتھ کاغذ پر تیزی سے گھوم رہا ہے۔ ذاتی ملاقات میں رپورٹر کو کسی شخص کی انفرادیت کو پرکھنے اور اس کی گفتگو کے لب و لہجے اور طور طریقوں کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اور گھر یا جائے ملاقات کا ماحول نظروں میں ہوتا ہے، ایسی ملاقات میں رپورٹر کو اپنے مشکل سوالوں کے جوابات بھی مل جاتے ہیں، کیونکہ دو بدو بات چیت میں متعلقہ شخص کے لیے اپنے تاثرات کو دیر تک صیغہ راز میں رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔

بالمشافہ انٹرویو میں افراد کو قریب سے اور بغور دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور نکتہ کی بات یہ ہے کہ رپورٹر اپنی ضرورت اور موقع و محل کی رعایت سے خود ہی فیصلہ کرے کہ انٹرویو کے لیے مناسب صورت کیا ہوگی، بات چیت ٹیلیفون پر کر لی جائے یا ذاتی طور پر ملا جائے۔

ٹیلیفون پر بات چیت کے گر

ہر طرح کے انٹرویو میں ادب اور سلیقے کی بڑی اہمیت ہے۔ ٹیلیفون پر گفتگو کے لیے رپورٹر پر لازم ہے کہ پہلے متعلقہ شخص کے سیکرٹری سے (اگر کوئی سیکرٹری ہو تو) خود کو متعارف کرائے اور معلوم کرے کہ کیا فلاں صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ اس کے بعد رپورٹر کو چاہیے کہ اپنے اخبار کا نام بتائے اور پوچھے کہ کیا آپ ایک مسئلہ کے بارے میں چند منٹ گفتگو کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی اخبار نویس اپنے کسی ذریعے سے تقریباً ہر روز بات چیت کرتا رہا ہو تو اسے یہ تکلفات برتنے کی ضرورت نہیں، لیکن اس کا مخاطب اگر کوئی نیا شخص ہو تو اسے پر تکلف اور ملتجیانہ انداز اختیار کرنا ہی پڑے گا۔

گر کی باتیں کچھ اور بھی ہیں جنہیں رپورٹر کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ آپ کی آواز دھیمی، پر اعتماد، اطمینان بخش اور دوستانہ ہونی چاہیے۔ اگر سوالات دو تین سے زیادہ ہوں تو انہیں کاغذ پر درج کر لینا چاہیے۔ حافظے پر تمام تر انحصار کوئی مناسب بات نہیں، اس سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں، کیونکہ رپورٹر متعلقہ شخص کے تبصروں کو درج کرنے کے دوران میں، چند سوالات بھول بھی سکتا ہے۔ اس سے زیادہ شرمندگی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ایک شخص کو تین بار فون کریں اور ہر مرتبہ یہ کہیں کہ ''ذرا سنئے- مجھے فلاں بات آپ سے پوچھنی یاد نہیں رہی۔'' تاہم ایسا ہرگز نہ کریں کہ اگر کوئی سوال بھول گیا ہو تو اس کا

جواب گول کر دیں اگر آپ کی لکھی ہوئی خبر میں کوئی سقم رہ گیا ہو تو متعلقہ شخص سے ایک بار پھر بات کریں۔ اس وقت کچھ اس طرح کہیں کہ "آپ نے جو بات کہی تھی، اس کے سلسلے میں میرے ایڈیٹر نے کہا ہے کہ فلاں نکتے کی وضاحت ذرا ایک بار پھر سے ہو جائے ......"
یاد رہے کہ آپ جس شخص سے انٹرویو کر رہے ہیں، وہ جتنا زیادہ مصروف ہوگا، اس سے دوبارہ رابطہ پیدا کرنا اتنا ہی مشکل ہوگا۔

پاکستان اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں ٹیلیفون کا استعمال قباحت سے خالی نہیں اور یہ ایسی بات ہے جس کا علم ہم سب کو ہے۔ فون پر گفتگو ان مشکلوں سے خالی نہیں۔ لیکن جب وقت کم ہو اور ضرورت شدید تو فون پر حقائق اور حوالے کی بات چیت کو ریکارڈ کرنا ہی سب سے موزوں طریقہ نظر آتا ہے۔

بالمشافہ ملاقات:

اگر کوئی رپورٹر کسی فرد، کسی سیاسی گروہ یا تنظیم کے بارے میں طویل عبارت لکھنا چاہے تو اسے بالمشافہ ملاقات کرنی پڑے گی۔ سیاست دانوں، فنکاروں، مصنفوں، سائنس دانوں اور دیگر بااثر شخصیات کا تعارف قلمبند کرنا ہو تو یہ بات خاص طور پر صادق آتی ہے۔ اس کی ضرورت اس وقت بھی پیش آتی ہے جب رپورٹر کو کسی خاص موضوع کے بارے میں واقعاتی پس منظر دریافت کرنا ہو، مثلاً سیاست، معیشت، ماحولیات یا کوئی اور موضوع پیش نظر ہو اور رپورٹر اس کے جملہ کوائف جاننا چاہے۔ درج ذیل طریقہ کار پر مرحلہ وار عمل کر کے رپورٹر ایک اچھا انٹرویو حاصل کر سکتا ہے۔

سب سے پہلے متعلقہ شخص سے ملاقات کا وقت لیجئے۔ دوئم۔ اس کے بارے میں اخبارات و جرائد میں جو کچھ شائع ہو چکا ہے، اسے بغور پڑھ لیجئے۔ اس سلسلے میں اکثر تحقیق کے لیے لائبریری جانا پڑے تو ایسا ضرور کیجئے۔ تحقیق کا اصول یہ ہے کہ ہر ایک منٹ کی ملاقات کے لیے دس منٹ چھان بین اور مطالعہ پر صرف کیجئے۔ اس ضمن میں امریکی مصنف کورنیلئس ریان نے جو مشورہ دیا ہے وہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس نے ایک بار کیا خوب کہا تھا "کسی شخص سے اس وقت تک انٹرویو نہ کیجئے جب تک آپ کو اس کے (20) فیصد جوابات بطور خود معلوم نہ ہو جائیں۔"

سوئم، جو سوالات لازمی طور پر پوچھنے ہوں، انہیں کاغذ پر لکھ لیجئے۔ اپنی ضرورت سے کچھ زیادہ سوالات لکھ رکھئے، کیونکہ اس کا بہرطور امکان ہے کہ آپ کے سوالوں کے مختصر جوابات مل جائیں اور آپ سوچتے ہی رہیں کہ اب کیا کیا جائے۔ بہتر ہوگا کہ سوال گھما پھرا کر پوچھیں۔ مثلاً کسی پاکستانی سیاست دان سے یہ پوچھنے کی بجائے کہ پاکستان کے پاس ایٹم بم کی موجودگی کے بارے میں آپ کا ردعمل کیا ہے، یہی سوال حالات حاضرہ کے ساتھ جوڑ کر کچھ اس طرح کیجئے۔ ''امریکہ پاکستان پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ ایٹم بم کی تیاری کے سلسلے میں اس کے پاس جو معلومات ہیں، انہیں خفیہ رکھنے کے بجائے عام کر دے، آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے اور ایٹم بم کی تیاری کے سلسلے میں جو ریسرچ ہو رہی ہے، کیا اسے جاری رکھنا چاہیے۔''

امریکہ کے سیاسی مبصر ریچرڈ ریوز نے جو ''پشاور کا دورہ'' (Passage of Peshawar) نامی کتب کے مصنف ہیں کسی موقع پر بتایا کہ انہوں نے سیاست دانوں سے وہی سوالات پوچھے جو بعض مسائل کے ضمن میں ان سے پہلے بھی کئی بار پوچھے جا چکے تھے اور یہ اس لئے کیا کہ ماضی کے مقابلے میں اگر ان کے جوابات مختلف ہوئے تو گویا پرانے موقف کو دیکھتے ہوئے خبر میں ایک نیا رخ پیدا ہو جائے گا۔

انٹرویو کے اجزائے ترکیبی:- جب کوئی رپورٹر اپنے سوالوں کی فہرست مرتب کر لے تو اسے چاہیے کہ سوال ترتیب کے ساتھ لکھ ڈالے۔ طویل انٹرویو ہو، کسی شخصیت کا مکمل تعارف ہو یا کوئی تفصیلی خبر لکھنی ہو تو اس سلسلے میں انٹرویو کے درج ذیل طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ بات عمومیت سے شروع کی جائے اور رفتہ رفتہ خصوصیت تک پہنچا جائے۔ انگریزی میں اس کو ''کپی نما'' (Funnel-Shaped) انٹرویو کہتے ہیں جس کی شکل کچھ یوں بنتی ہے۔ آغاز میں متعلقہ شخص سے عام سے سوالات، اس کی پیشہ ورانہ مصروفیات، گھریلو حالات، یہاں تک کہ اس کے بچپن کے بارے میں پوچھے جا سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ انٹرویو کا رخ اس شخص کی زندگی میں ان واقعات کی طرف ہوتا ہے، جو یادگار ثابت ہوئے اور جنہوں نے اس شخص کی زندگی کے راستے بدل دیئے۔ آخر میں مسائل حاضر پر بات ہو اور پھر مستقبل کے عزائم اور خواہشات

کا تذکرہ آجائے۔ آخر میں مشکل سوالات کئے جائیں لیکن ان کا آغاز چالاکی اور ہنرمندی سے ہونا چاہیے، مثلاً کچھ اس طرح کہ ''اب ذرا کڑوی کسیلی باتیں بھی ہوجائیں'' یا کہ ''یوں سمجھئے کہ میں آپ کا محتسب ہوں، اب ذرا یہ فرمائیے کہ .....''

- ❖ تنقید سے پہلے تعریف ضرور کیجیے ''ماضی میں آپ کا سبھی کام بڑا شاندار تھا، لیکن نقادوں نے تو آپ کی تازہ ترین فلم کے بخیئے ادھیڑ دیئے ہیں۔''
- ❖ آپ کا طریقہ ہونا چاہیے، نرم دم گفتگو۔ تنقید کا الزام کسی اور کو دیجئے اور اسی حوالے سے بات کیجئے۔ (الزام ہمیشہ کسی اور کو دیجئے) مثال کے طور پر۔ ''جنرل خان۔ آپ کے نکتہ چین یہ کہتے ہیں کہ فوجی بجٹ، جسے آپ لوگوں نے بنایا ہے، مصرفانہ ہے اور اس سے بدیانتی کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔''
- ❖ حساس نوعیت کے سوالات براہ راست اور معمول کے انداز میں کیجئے، مثال کے طور پر ''کیا آپ دل کے مریض ہیں؟'' یا ''اس انکشاف کے بعد کہ آپ نے سرکاری خزانے سے 5 لاکھ روپے ناجائز طور پر نکلو لیئے تھے، آپ اپنے کردار کا دفاع کس طرح کریں گے؟

سوال اندر سوال:

ملاقات کے دوران میں سوال سے سوال نکلتے ہیں اور بعض ایسے انکشافات بھی ہوتے ہیں، جن کے بارے میں آپ نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔ رپورٹر جس شخص سے انٹرویو کر رہا ہو اگر اس شخص نے کوئی نیا موضوع پیش کر دیا، جس کے لیے رپورٹر پہلے سے تیار نہ تھا۔ یا کوئی حیران کن انکشاف کر دیا تو مناسب بات یہ ہوگی کہ رپورٹر اسے نوٹ کر لے اور معاملہ کو آئندہ کسی انٹرویو کے لیے اٹھا رکھے، ساتھ ہی اس کی گہری چھان بین کرے۔ اگر متعلقہ شخص اصل معاملہ پر دوٹوک بات کرنے کی بجائے، عمومی بات کرے تو رپورٹر کو چاہیے کہ اسے اصل معاملے کی طرف لائے۔ مثلاً یہ کہنا کافی نہیں ہوگا کہ ''ہم تعلیم کی صورت حال کو بہتر بنانے کا منصوبہ مرتب کر رہے ہیں۔'' آپ سوال کیجئے کہ ''وہ کس طرح؟'' ..... ''اس پر کتنی لاگت آئے گی'' ..... ''اس پر کب کام شروع ہوگا؟''

بعض اوقات ایک سے دوسرا سوال اس طرح نکلتا ہے کہ اس کا جواب انکشاف کا

درجہ رکھتا ہے اور نہایت اہم ثابت ہوتا ہے تاہم یاد رہے کہ کوئی رپورٹر اگر کسی مسئلہ کو درجہ رکھتا ہے اور نہایت اہم ثابت ہوتا ہے تاہم یاد رہے کہ کوئی رپورٹر اگر کسی مسئلہ کو خود نہیں سمجھتا تو اس کے قارئین بھی کچھ نہیں سمجھ سکیں گے۔ اگر کسی مسئلہ کے باب میں آپ کی معلومات ناکافی ہوں تو اس کا اعتراف کر لیجئے۔ مثلاً ''محترم۔ سائنس کو میں نے کبھی نہیں سمجھا، لیکن اس معاملہ میں، میں صحیح صورت حال کو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ ایک بار پھر اس کی وضاحت فرمائیں گے.... '' اچھے رپورٹروں کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے انٹرویو میں اس وقت تک سوالات پوچھتے رہتے ہیں، جب تک وہ اپنے مخاطب کے نقطہ نظر کو بخوبی سمجھ نہیں لیتے۔

بعض دلچسپ سوالات

کیا آپ انہی پرانے گھسے پٹے سوالوں سے تنگ آ چکے ہیں؟ یہاں امریکی ٹیلیویژن کی مشہور انٹرویو کرنے والی بار برا والٹرز کے چند سوالات ملاحظہ کیجئے۔

- ❖ صبح بیدار ہونے کے بعد سے رات میں بستر پر جانے تک آپ نے پورا دن کس طرح گزارا، ذرا اس کے بارے میں کچھ بتایئے۔
- ❖ اگر آپ ہسپتال میں صاحب فراش ہیں تو قریب کے دوسرے بستر پر کسے دیکھنا پسند کریں گے۔ اس میں آپ کا رشتے دار شامل نہیں۔
- ❖ آپ کی پہلی پیشہ ورانہ مصروفیت کیا تھی؟
- ❖ آپ آخری بار کب روئے تھے؟ (بہت سے سیاست دان اس سوال پر بھونچکے رہ جائیں گے)
- ❖ آپ کی زندگی میں وہ پہلا شخص کون تھا جس سے آپ نے محبت کی؟
- ❖ اس سال کس واقعے سے آپ کو سب سے زیادہ خوشی ہوئی؟

بار برا، کسی سیاست دان سے اس طرح کا سوال کرتی ہیں کہ کسی عہدے کے لیے جب آپ اپنی مہم کا آغاز کرتے ہیں تو ناکامیوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے آپ کا طریق کار کیا ہوتا ہے اور یہ کہ آپ کے افراد خاندان پر کس طرح کا دباؤ پڑتا ہے۔ اگر آپ لڑکپن میں ایک لیڈر رہتے تھے تو زندگی میں کامیابی کے لیے آپ کی تربیت سب سے زیادہ کس نے کی؟ کیا آپ صاف ستھرا اور نک سک سے درست رہنا اپنی مجبوری سمجھتے ہیں؟

آپ کے مشاغل کیا ہیں؟ آپ کا ہیرو کون ہے؟

کچھ اور رپورٹر اس طرح کے سوال کرتے ہیں: کس شخص نے آپ کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا؟ کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟ عوام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، کیا ان میں بہتری کی گنجائش ہے یا ان کے خراب تر ہونے کا اندیشہ ہے؟

مسائل :- اگر کوئی گفتگو ''آف دی ریکارڈ'' ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رپورٹر اس بات کو متعلقہ شخص کے حوالے کے ساتھ واوین کے درمیان بیان نہیں کر سکتا، البتہ اس طرح لکھ سکتا ہے کہ ''ذرائع کے مطابق'' یا ''ایک مغربی ملک کے سفیر کے بیان کی رو سے'' یہ لکھنے کے بعد وہ مذکورہ ذریعے کے الفاظ بھی نقل کر سکتا ہے، لیکن اس کا نام ہر گز نہیں لکھا جا سکتا۔ اگر چھوٹی سی آبادی کا شہر ہو، جہاں لوگ ایک دوسرے سے واقف ہوں تو یہ طریقہ کار بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس صورت میں ''ذریعہ'' کا پتہ لگا لینا مشکل نہ ہوگا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ایک اچھے ''ذریعے'' کو پریشانی میں اور اس کی ملازمت کو خطرے میں نہ ڈالا جائے۔

بعض صحافیوں کا معمول ہے کہ وہ ''آف دی ریکارڈ'' گفتگو کو یا کسی واقعہ کے پس منظر سے متعلق تفصیلات کو سننا گوارا نہیں کرتے ۔ حالانکہ انہیں سننا بہر طور مفید ہوتا ہے۔ رپورٹر کو اگر کوئی اطلاع مل جائے جو ''آف دی ریکارڈ'' ہو تو وہ اس کی مدد سے کسی دوسرے ذریعہ تک پہنچ سکتا ہے اور کارآمد معلومات حاصل کر سکتا ہے بلکہ ایک باصلاحیت رپورٹر جو لوگوں کو قائل کرنا جانتا ہو متعلقہ شخص کو رضامند کر سکتا ہے کہ اس کی گفتگو کو ریکارڈ پر آنے دے لیکن اس طرح نہیں بھی ہوتا۔

بعض افراد انٹرویو شروع ہونے سے پہلے رپورٹر سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں اور فلاں موضوع پر بات نہیں ہوگی۔ رپورٹر جو مضمون لکھنے جا رہا ہو۔، اس کے لیے اس تاکید سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ انٹرویو ختم کر لینے کے بعد رفتہ رفتہ باتوں ہی باتوں میں ان ممنوعہ موضوعات کی طرف بھی پیش قدمی کی جائے۔ اگر کوئی شخص ابتدائی گفتگو میں اپنے بچپن کے زمانے کا تذکرہ مناسب نہیں سمجھتا، تو ممکن ہے کہ آخر میں اس موضوع پر بات کر لے اور اگر وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ وہی باتیں گھما پھرا کر اس سے پوچھیں، جن سے وہ بچنا چاہتا ہے تو مناسب یہی ہوگا کہ خاموشی اختیار کر لیں۔ بہر حال یہ ہر شخص کا حق ہے کہ وہ

اپنے بارے میں کتنی بات کہنا چاہتا ہے۔ سچائی اور شائستگی سے کام لینا چاہیے۔

انٹرویو کے خاتمے پر

انٹرویو کے آخر میں متعدد نوعیت کے سوالات پوچھے جا سکتے ہیں۔ انٹرویو ختم کرتے وقت پوچھ لیجئے کہ کوئی بات رہ تو نہیں گئی یا متعلقہ شخص کچھ اور تو کہنا نہیں چاہتا۔ آخر میں کچھ اس طرح کے سوالات ہو سکتے ہیں۔ ''آپ کیا چاہیں گے، آپ کو کن الفاظ سے یاد کیا جائے''؟ ''آپ کے آئندہ منصوبے کیا ہیں''؟ ''اگر آپ کو ایک اور زندگی مل جائے تو کیا بننا پسند کریں گے؟'' وغیرہ وغیرہ۔

رپورٹر آخر میں جب اپنی نوٹ بک پر نظر ڈالتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نے جس شخص کا انٹرویو کیا، اس سے نہایت بیش قیمت معلومات حاصل کر لیں۔ بس اب اسے چاہیے کہ پہلی فرصت میں اپنا انٹرویو لکھ ڈالے۔ اس میں تاخیر سے کام نہ لے، بہت سی باتیں، جو لکھی نہیں جاتیں، حافظے سے محو ہو جاتی ہیں۔

ایک آخری بات، انٹرویو کی ساخت کے بارے میں

نامور مصور بریڈی (Brady) کے الفاظ میں ''ایک اچھے انٹرویو کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ رسمی نوعیت کے گڑھے گڑھائے سوالوں سے شروع ہوتا ہے، پھر اس کا رخ ذرا الجھے ہوئے سوالوں کی طرف ہوتا ہے، یہاں تک کہ زیادہ فکر انگیز سوالات سامنے آتے ہیں۔ (مثلاً پسندیدہ مصنف۔ مستقبل کے عزائم) اور یہ انٹرویو کسی ایسے سوال پر جا کر ختم ہوتا ہے جہاں تکمیل کا احساس ہو جائے۔ ایک موثر سوال یہ ہو سکتا ہے (آپ کیا چاہیں گے کہ آنے والے زمانے میں آپ کو کس طرح یاد کیا جائے؟)''

بریڈی آگے چل کر لکھتا ہے ''اگر انٹرویو کی ساخت معقولیت اور استدلال پر مبنی ہے، اس کا ابتدائیہ، وسطی حصہ اور اختتام درست ہے تو اس کی جذباتی ہیئت بھی درست ہو گی۔ ایسا انٹرویو بہ اعتبار مجموعی متاثر کن ہو گا، نہ یہ کہ اس کے کچھ حصے ہی متاثر کن ہوں''

کچھ انٹرویو نمونے کے طور پر

پاور میں امریکن سنٹر کی توسیع کے موضوع پر ایک رپورٹر کو فیچر لکھنا ہے۔ اس کا

مسئلہ یہ ہے کہ سنٹر کے ڈائریکٹر سے کیا سوال کرے؟ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ درج ذیل سوالات لے کر آیا:

❖ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ توسیع کن حدود میں اور کس قدر ہوگی؟
❖ اس میں کتنے کمروں کا اضافہ ہوگا؟
❖ اس میں کتنی لاگت آئے گی؟
❖ کیا توسیع پہلی بار ہو رہی ہے؟
❖ تحقیق و مطالعہ کے لیے یہاں آنے والوں کو اس سے کس طرح کی مدد ملے گی؟
❖ کیا اس کے لیے سرمائے کے حصول میں بہت مشکل نہیں آئی؟
❖ یہ نیا مرکز پاکستان میں دیگر مراکز کے تناسب سے کتنا بڑا ہوگا؟
❖ پاکستان میں اور کتنے امریکن سنٹر ہیں؟
❖ اس توسیع سے خود سنٹر کو کیا حاصل ہوگا؟

سنٹر کے سلسلے میں رپورٹر کو ڈائریکٹر سے پس منظر کا مزید مواد درکار تھا، چنانچہ جو اطلاعات باقی رہ گئی تھیں وہ ڈائریکٹر نے پوری کر دی۔ ناکافی اطلاعات کے مقابلے میں یہ کہیں بہتر ہے کہ فالتو معلومات حاصل ہوں کیونکہ بعد میں فیچر لکھتے وقت انتخاب میں آسانی رہتی ہے کہ کیا لکھا جائے اور کیا نہ لکھا جائے۔ مثلاً درج ذیل سوالات:

❖ امریکن سنٹر پشاور میں کب سے قائم ہے؟
❖ کیا یہ اسی جگہ ہمیشہ سے ہے؟
❖ دنیا بھر میں ایسے کتنے سنٹر ہیں؟
❖ یہاں کتنے لوگ کام کرتے ہیں
❖ سنٹر کا سالانہ بجٹ کیا ہے؟
❖ ڈائریکٹر صاحب! آپ کی عمر کیا ہے اور یہاں کب سے ہیں؟
❖ پشاور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
❖ سنٹر کے سلسلے میں آپ کے آئندہ منصوبے کیا ہیں؟

سنٹر پر فیچر کے لیے اس انٹرویو سے زائد از ضرورت معلومات حاصل ہو جائیں

گی۔ اب آپ یہ دیکھئے کہ انٹرویو کی ساخت کا آغاز کس طرح ہوا، مطلوبہ سوالوں تک کس طرح پہنچے پھر سنٹر کے سلسلے میں پس منظر کی معلومات کس طرح بہم ہوئیں اور یہ معلوم ہوا کہ اس خطے کی آبادی میں سنٹر کی کیا حیثیت اور ڈائریکٹر کا کیا کردار ہے؟

اب ہم ایک فلمی اداکارہ سے فرضی انٹرویو کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ تو بندھے ٹکے سوالات ہیں جو کوئی بھی رپورٹر پوچھنا چاہیے گا، مثلاً آپ اداکاری کے میدان میں کس طرح آئیں؟ کیا آپ کے خاندان میں کسی اور کا تعلق بھی اداکاری کے شعبے سے تھا۔

- ❖ کیا ابتدا میں آپ کو اس خیال سے خوف محسوس ہوا کہ آپ بڑے اسکرین پر نظر آئیں گی؟
- ❖ کیا آپ کو اپنی فنی صلاحیت کے بارے میں کبھی شک محسوس ہوا؟
- ❖ اس وقت آپ کا کردار کیا ہے؟
- ❖ آپ اس کا مقابلہ دوسری فلموں میں اپنے کرداروں سے کس طرح کریں گی؟
- ❖ کیا یہ مقابلتاً بہتر رول ہے اور آپ کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے؟
- ❖ اس وقت تک آپ کا پسندیدہ کردار کیا رہا ہے؟
- ❖ آپ کس طرح کے کردار کی خواہش مند ہیں؟
- ❖ اب تک آپ نے جن ڈائریکٹروں کے ساتھ کام کیا ہے ان میں آپ کا پسندیدہ ڈائریکٹر کون ہے اور آئندہ آپ کس کے ساتھ کام کرنا پسند کریں گی؟
- ❖ اپنے ساتھ کام کرنے والے اداکاروں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟
- ❖ کیا آپ اس بات پر یقین کرتی ہیں کہ فلموں میں اداکاراؤں کے کردار بہت محدود ہوتے ہیں؟
- ❖ کیا اس رجحان کو تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ اگر یہ ممکن ہے تو کیسے؟
- ❖ خود فلمی صنعت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ پاکستانی فلموں میں حقائق سے گریز کا رویہ پایا جاتا ہے، کیا فلم سازی بہتر طور پر اور حقیقت پسندانہ انداز میں نہیں ہو سکتی؟
- ❖ آپ کا شمار ملک کی چند حسین ترین اداکاراؤں میں ہوتا ہے؟ کیا آپ ہمیشہ سے

اتنی ہی خوبصورت تھیں؟ اس سلسلے میں آپ کا اپنا کیا خیال ہے؟

- آپ کن اداکاروں اور اداکاراؤں کو پسند کرتی ہیں اور کیوں؟
- آپ کی متاثر کن خوبیاں کیا ہیں؟ آپ کا دائرہ اثر کیا ہے؟
- کیا آپ آئندہ شادی کر کے گھر بسا لیں گی؟ اس صورت میں کیا یہ ممکن ہوگا کہ آپ اداکاری بھی کریں اور اپنا گھر بھی چلائیں؟
- اپنے مستقبل کو سامنے رکھتے ہوئے، کیا آپ اپنے کرداروں کا انتخاب آئندہ زیادہ احتیاط سے کریں گی۔ فلمی نقادوں کا خیال ہے کہ گذشتہ فلم میں آپ کی اداکاری آپ کے اپنے معیار کے مطابق نہیں تھی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟
- اقبال اختر کے ساتھ آپ کی ملاقاتوں کی افواہیں آج کل بہت گرم ہیں یہ بات کہاں تک درست ہے اور کیا آپ اس طرح کی افواہوں سے پریشان ہو جاتی ہیں؟
- آپ کے آئندہ مقاصد کیا ہیں؟
- آپ کیا چاہیں گی کہ آئندہ دور آپ کو کن الفاظ میں یاد کرے؟

یہاں جس انٹرویو کو مثال بنایا گیا ہے، وہ ''کپی نما'' انٹرویو ہے۔ یعنی اوپر سے پھیلا ہوا اور اس کا دائرہ بتدریج تنگ ہوتا ہوا، جسے انگریزی اصطلاح میں (Funnel- Shaped) کہتے ہیں۔ پہلے رسمی اور ادھر ادھر کی باتیں، پھر اداکارہ کے موجودہ منصوبوں پر گفتگو، اس کے دائرہ اثر کا تذکرہ، پھر ایک شگفتہ سا سوال (اداکارہ کے حسن کے بارے میں) آخر میں اس کے کام پر تنقید اور تھوڑی سی گپ شپ۔

انٹرویو کا دن

انٹرویو کرنا ایک دلچسپ بات ہے، لیکن انٹرویو کے دوران بات چیت کا مسلسل درج کرتے جانا یا اسے ٹیپ کرنے کے بعد کاغذ پر منتقل کرنا کوئی پرلطف بات نہیں۔ انٹرویو کرنے سے پہلے سوچ لیجئے کہ اسے ٹیپ کرنا ہے یا نہیں۔ یہ ایک اہم سوال ہے۔ ٹیپ کرنا کہاں تک مفید ہوگا، اسے جاننے کے دو طریقے ہیں، پہلے تو یہ معلوم کیجئے کہ جس شخص کا انٹرویو کیا جا رہا ہے کیا وہ بہت تیزی سے بولتا ہے اور /یا بہت سنبھل سنبھل کے بات کرتا

ہے، اگر وہ شخص خاص طور پر بہت تیزی سے نہیں بولتا تو بہتر ہوگا آپ قلم کا سہارا لیں۔ سالم اور شگفتہ فقروں کو اعداد و شمار کے درمیان با آسانی درج کیا جا سکتا ہے، دانائی کی ساری باتیں بیچ بیچ میں لکھی جا سکتی ہیں۔

پندرہ منٹ آدھ گھنٹے تک کے انٹرویو عام طور پر ٹیپ کئے جانے کے قابل نہیں ہوتے، بہرطور انٹرویو کو قلم بند کرنے یا ٹیپ کرنے کے سلسلے میں ہر ایک کے منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں کو سمجھنا چاہیے۔ دونوں کے کچھ اچھے پہلو اور کچھ نہیں ہیں۔

کچھ نوٹ لینے کے بارے میں

بیشتر لوگ جو کچھ کہتے ہیں، اس کا 70 فیصد مواد بگڑی ہوئی مسخ شدہ اور الجھی ہوئی صورت میں سامنے آتا ہے۔ نوٹ لیتے وقت رپورٹر صاحبان غیر ضروری نکات کو نظر انداز کر دینے اور درف نہ کرنے کا طریقہ اپناتے ہیں۔ یہ طریقہ درست ہے اگر چہ ظاہر یہی کیا جاتا ہے جیسے انٹرویو دینے والے کی ساری گفتگو درج کی جا رہی ہے۔ ایسا کرنا اس لیے ضروری ہے کہ رپورٹر اگر ہاتھ سے قلم رکھ دے تو انٹرویو دینے والا شخص اپنے بیان کا تسلسل کھو دے گا اور اسے یاد نہیں رہے گا کہ پہلے کیا کہہ رہا تھا اور آئندہ اسے کیا کہنا چاہیے اور اگر چاہیے تو کیوں؟ اس لیے کہ اس کی بات نوٹ نہیں کی جا رہی ہے۔ (یہ احساس بھی اس کے لیے پریشان کن ہوگا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے، شاید برمحل نہیں۔ ویسے یہ احساس کچھ ایسا برا بھی نہیں)

انٹرویو دینے والا شخص جب اصل موضوع سے ہٹ کر ادھر ادھر بھٹکنے لگے تو رپورٹر اس موقع کو غنیمت جانے گا اور وہ فقرہ جو لکھنے کے بعد ادھورا رہ گیا تھا، اسے پورا لکھے گا تاکہ ذہن سے محو نہ ہو جائے، انٹرویو دینے والا جب غیر ضروری باتوں میں الجھ جائے تو مفید مطلب باتوں کو درج کرنے کا یہ اچھا موقع ہوگا۔

یہاں ایک اور نکتہ غور طلب ہے۔ انٹرویو دینے والا شخص مشکل نام یا ادق فنی اصطلاحات استعمال کر سکتا ہے۔ لہٰذا جب آپ سائنس دانوں، انجینئروں، ڈاکٹروں اور اعلیٰ درجے کے فنی شعبوں میں با اختیار لوگوں سے انٹرویو کریں تو ان کی مخصوص اصلاحات کے ہجے بالکل درست لکھیں۔ درستگی کی خاطر پوچھ لینے میں تکلف سے کام نہ لیں۔

ہر صحافی کے پاس تیز رفتاری سے لکھنے کا اپنا اپنا طریقہ ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی صحافی شارٹ ہینڈ یعنی مختصر نویسی کا فن جانتا ہو۔ نو آموز رپورٹروں کو چاہیے کہ ''یہ'' ''وہ'' اور ''ہے'' جیسے الفاظ کو لکھنے سے گریز کریں۔ فقرہ مکمل کرنے کے لیے یہ الفاظ بعد میں بھی شامل کئے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح جو الفاظ انٹرویو کے درمیان مسلسل آ رہے ہوں، ان کا ایک حرف اشارے کے طور پر لکھ لینا کافی ہوگا مثلاً پاکستان کا ''پ'' بعد میں رپورٹر کو یاد آ جائے گا کہ انٹرویو دینے والے شخص نے ''پاکستان'' کا نام لیا تھا۔ تیز رفتاری سے لکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ادھورے الفاظ لکھے جائیں، کبھی کسی لفظ کا پہلا اور آخری لفظ لکھ دینا کافی ہوگا۔ اس طرح سیاق سباق پر نظر ڈالنے سے خود ہی سمجھ میں آ جائے گا کہ کون سے الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ تاہم یہ طریق کار قباحت سے خالی نہیں، کیونکہ ایسا کرنے والا رپورٹر نیوز روم میں اکثر ایک ایک سے یہ سوال کرتا ہوا پایا گیا ہے کہ دوستو! یہاں کون سا لفظ آ سکتا ہے، میں نے ک اور ٹ لکھ کے چھوڑ دیا، اوہو، سرد موسم کے حوالے سے، یہ کوٹ، ہی ہو سکتا ہے۔''

ٹیپ ریکارڈنگ:

انٹرویو کو ٹیپ ریکارڈ کرتے وقت ہاتھ اور ذہن دونوں آزاد ہو جاتے ہیں، اس طرح رپورٹر کو یہ موقع مل جاتا ہے کہ جس شخص کا انٹرویو کر رہا ہے، اس کے جواب کی روشنی میں کوئی نیا سوال سوچ لے، ورنہ وہ تو تمام وقت لکھنے میں ہی مصروف رہے گا۔ اگر کوئی صحافی اپنے ساتھ ریکارڈر رکھتا ہے تو پہلے سے مرتب کردہ سوالوں کے علاوہ موصول ہونے والے جوابوں کی روشنی میں نئے سوالات مرتب کر سکے گا، بصورت دیگر مسلسل لکھنے کی مصروفیت میں بہت سے سوال اسے یاد ہی نہیں آئیں گے۔

ٹیپ ریکارڈنگ کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ رپورٹر آسانی کے ساتھ اپنے مخاطب کے چہرے کے تاثرات اس کے لب و لہجے، جائے ملاقات کی کیفیت اور پورے ماحول کو قلم بند کر سکے گا۔

مشہور و معروف مصنفوں اور سیاست دانوں کو انٹرویو کرتے وقت ٹیپ ریکارڈر کا استعمال بیحد مفید ہوتا ہے یہ افراد اور ان میں خواتین اور مرد، دونوں شامل ہیں، اپنی

گفتگو میں روانی، برجستہ گوئی اور شگفتگی سے اس قدر کام لیتے ہیں کہ اس پوری کیفیت کو قارئین تک پہنچانا سبھی رپورٹر پسند کریں گے۔

ٹیپ ریکارڈر کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ایڈیٹر اگر کسی بیان کی تصدیق کرنا چاہے اور اس کا ثبوت مانگے تو ریکارڈ کی ہوئی گفتگو اسے سنائی جا سکتی ہے۔ صحافی کے پاس اگر ٹیپ ریکارڈر ہے تو وہ آزاد ہے کہ چاہے تو کار میں یا ریستوران میں بیٹھے بیٹھے انٹرویو ریکارڈ کر لے۔ اسے تفتیشی صحافت میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ حوالے کی بات چیت کو اگر ٹیپ کر لیا جائے تو اس سے انٹرویو میں جان پڑ جاتی ہے۔

لیکن ٹیپ ریکارڈ کرنے میں دو قباحتیں ہیں۔ ٹپ میں کوئی فنی خرابی پیدا ہو جائے یا وہ صحیح طرح ریکارڈ نہ کر سکے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ٹیپ ریکارڈر کی بیٹری کمزور ہو کر کام کے قابل نہیں رہتی۔ اس سے سارا انٹرویو غارت ہو جاتا ہے۔ ٹیپ ریکارڈر کو چالو کرنے سے پہلے اس کی بیٹری کی کارگردگی کو پرکھ لیجئے۔ (یا پھر اسے اسٹیریو سسٹم پر پوری آواز سے چلایئے تاکہ ریکارڈ کی ہوئی گفتگو آپ کی سمجھ میں آ جائے اور آپ اسے کاغذ پر نقل کر لیں) یہ بھی اچھا طریقہ ہے کہ انٹرویو کے دوران میں ہر پندرہ منٹ بعد اسے چلا کر دیکھتے رہیں۔

ٹیپ کی ہوئی عبارت کو کاغذ پر منتقل کرنا ایک طولانی اور تکلیف دہ کام ہے۔ اس میں صحیح عبارت نقل کرنے کی خاطر ٹیپ ریکارڈر کو بار بار بند کرنا اور دوبارہ چلانا پڑتا ہے۔ حالانکہ بیشتر انٹرویو ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں بجنسہٖ نقل کرنے کی بجائے ان کا خلاصہ پیش کرنا درست ہے اس کے باوجود ٹیپ سے کاغذ پر منتقلی کا عمل دیر طلب ہے۔ ٹیپ کا دورانیہ اگر ایک گھنٹہ ہے تو کاغذ پر اسے لانے میں دو گھنٹے تو لگ ہی جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ چند نکتے بطور انتباہ۔ ریستوران کے کچن، کارخانوں اور دوسری ایسی جگہوں سے جہاں شور و غل بہت ہو رہا ہو، بچ کے رہیں۔ ٹیپ کرنے سے پہلے متعلقہ شخص کو بتا دیں۔ ایک پیڈ اور قلم پاس رکھ لیں۔ ٹیپ جب ایک طرف سے ریکارڈ ہو جائے تو اسے پلٹنا نہ بھولیں۔

آپ کا ریکارڈر جتنا چھوٹا ہوگا، اسے ساتھ لے کر چلانا اتنا ہی آسان ہوگا، اس میں آپ کے مخاطب کے لیے بھی سہولت ہے، بڑا ریکارڈر سامنے رکھا ہو تو ذہن بار بار بھٹکتا ہے۔

الیکٹرانکس کی دکان پر ممکن ہے آپ کو ایک ایسا فٹ پیڈل مل جائے جس کی مدد سے ٹیپ ریکارڈر کو خودکار طریقے سے چلایا اور بند کیا جاسکے۔ اگر دستیاب ہو تو یہ ایک اضافی سہولت ہوگی۔

اگر یہ ترکیبیں ناکام ہو جائیں

آپ جس شخص کا انٹرویو کر رہے ہیں اگر وہ اپنی گفتگو کو ٹیپ ریکارڈ کرنے سے منع کر دے تو اس صورت میں ایک بڑی مشکل پیدا ہو سکتی ہے۔ ٹرومین کو پوٹے نامی مصنف کو اپنی یادگار تصنیف In Cold Blood (لرزہ خیز قتل) لکھتے وقت یہی دشواری پیش آئی تھی۔ یہ کینس کے ایک کسان گھرانے کے لرزہ خیز قتل کی مفصل روداد ہے۔ قاتلوں نے اپنی گفتگو کو نہ صرف ٹیپ ریکارڈ کرانے سے انکار کر دیا بلکہ نوٹ لینے سے بھی روک دیا۔ چنانچہ ٹرومین نے اپنے ذہن کو اس طرح آمادہ کیا کہ ایک گھنٹے کے طویل انٹرویو کو خاموشی سے سنتا اور ذہن نشین کرتا گیا، اس کے بعد وہ ساری گفتگو اس نے لفظ بہ لفظ کاغذ پر لکھ ڈالی۔ کم از کم بعد میں اس نے یہی بتایا۔

پریس کانفرنس میں سوالات

کسی شخص سے انٹرویو کرنے میں اگر کہیں کم سے کم سہولت دستیاب ہو سکتی ہے تو وہ جگہ پریس کانفرنس ہے۔ رپورٹروں سے کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اوسطاً ایک سے زیادہ سوال نہ کرے۔ اب جہاں ٹی وی کیمرہ چل رہا ہو اور تمام رپورٹروں کی نظریں سوال کرنے والے ایک فرد پر جمی ہوئی ہوں وہاں وہ شخص یقیناً شدید دباؤ محسوس کرے گا۔

پریس کانفرنس میں پوچھے جانے والے بہترین سوالات وہ ہوتے ہیں جو بہت سوچ سمجھ کر کئے جائیں اور جن کا تعلق زیر بحث موضوع سے ہو۔ صحافی جو سوالات پوچھتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ سوالات ان کی صوابدید پر مبنی ہوں۔ وہ پانچ پانچ منٹ کے لمبے سوال نہیں کرتے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنا سوال کم سے کم الفاظ میں سمو کر پیش کریں تاکہ بحث کا موضوع الجھن کا شکار نہ ہو وہ زبان درازی بھی نہیں کرتے۔

بیشتر پریس کانفرنسوں میں ہوتا یہ ہے کہ میزبان اپنا افتتاحی بیان پڑھ کر سناتا ہے، پھر اس سے سوالات نکلتے ہیں اور متعلقہ خبروں سے متعلق دوسرے موضوعات پر سوالوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پریس کانفرنس میں کسی متعلقہ سیاست دان نے یا

حکومتی عہدیدار نے جو اعلان کیا ہو، اس کی زیادہ سے زیادہ تفصیلات معلوم کرنے کے لیے سوال پوچھے جاتے ہیں اور توجہ زیادہ تر اسی موضوع پر مرکوز رہتی ہے۔ پریس کانفرنس کرنے کا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ مسائل صراحت سے بیان ہوں، ان کی زیادہ سے زیادہ تفصیلات حاصل ہوں اور جو باتیں واوین کے درمیان کہی گئی ہیں وہ ریکارڈ پر آجائیں۔

اگر کبھی ایسا ہو کہ پریس کانفرنس کے منتظمین سوال کرنے کا موقع فراخ دلی سے دے دیں تو اس وقت رپورٹروں کو کھلی آزادی ہوتی ہے کہ مختلف موضوعات پر حسب منشا سوال کریں۔ وہ صحافی جو وزیراعظم کو گھیرنا چاہتے ہوں، مشکل سوالات کر کے انہیں آزمائش میں ڈال سکتے ہیں، مثلاً کچھ اس طرح کہ ''آپ نے 1988ء میں یہ کہا تھا کہ افراط زر میں سالانہ 5 فیصد کی شرح سے تخفیف ہوتی جائے گی لیکن دو سال کے اندر افراط زر کی شرح 10 فیصد ہوگئی ہے۔ افراط زر پر قابو پانے میں آپ کیوں ناکام رہے؟'' یا یہ سوال کہ ''آپ نے اپنی حکومت میں رشوت ستانی اور بدعنوانی ختم کر دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ہمیں اب تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا، کیا آپ کچھ مثالیں دے سکتے ہیں، جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ رشوت اور بدعنوانی ختم ہوگئی ہے۔ آپ کی انتظامیہ کے لیے کیا یہ مسئلہ آج بھی سرفہرست ہے؟''

ایک امریکی اخبار کے ایڈیٹر نے ایک مرتبہ اپنے عملے کو یہ مشورہ دیا تھا کہ بہترین سوال کو پریس کانفرنس کے بعد کے لیے اٹھا رکھیں جہاں بہت سارے رپورٹر اکٹھا ہوں وہاں ایک اچھا سوال کرنے کی بجائے دانش مندی کی بات یہ ہوگی کہ متعلقہ شخص کو اس وقت پکڑا جائے جب وہ اسٹیج سے اتر کر جانے لگے۔ لیکن یہ ترکیب اسی صورت میں کارگر ہوتی ہے جب کہ رپورٹر کے اس شخص سے گہرے ذاتی مراسم ہوں اور اسے یقین ہو کہ اس انٹرویو کے نتیجے میں اسے کوئی ایسا بیان مل جائے گا، جسے حوالے کے ساتھ واوین کے درمیان شائع کیا جا سکے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو پریس کانفرنس میں ہی سوال کر لینا چاہیے۔

جائے وقوعہ پر انٹرویو کا طریقہ

جب کوئی جلسہ ہو، آتش زدگی یا اسی طرح کا کوئی اور سانحہ ہو کہیں گولی چل گئی ہو یا

عام لوگوں کے لیے کسی نوع کا اعلان ہو رہا ہو تو جائے وقوعہ پر یہ انٹرویو کرنا ہوتا ہے۔ اگر گفتگو کے دوران کسی طرح کا خلفشار پیدا ہو جائے مثال کے طور پر بہت سے صحافی جائے وقوعہ پر موجود عینی شاہدوں سے ان کے بیانات حاصل کرنے کے لیے ٹوٹے پڑ رہے ہوں تو ایک سادہ سا سوال اس موقع کے لیے کافی ہوگا۔ ''آپ نے کیا دیکھا؟ رپورٹر کو اس کے جواب میں کافی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔

لرزہ خیز حادثوں مثلاً آتش زدگی یا طیارے کے حادثے کے بارے میں خبر لکھنا ایک مشکل صحافیانہ ذمہ داری ہے۔ اسی طرح جو لوگ کسی المیئے کا شکار ہوئے ہوں ان سے اور ان کے افراد سے انٹرویو کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ایک ماں سے جس کا بیٹا اس سے جدا ہو گیا ہو کوئی سوال کرنا بڑی اذیت ناک بات ہوگی، لیکن خبر میں اگر ماں کے الفاظ آجائیں تو پوری عبارت میں جذبے کی شدت اور گہرائی پیدا ہو جاتی ہے اور اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ یہی لوگ جو کسی خوفناک صورت حالات کا شکار ہوں، وہ خود چاہتے ہیں کہ کوئی مل جائے جس سے بات کر کے وہ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکیں۔ ایسے میں اگر کوئی رپورٹر ان سے ہمدردانہ گفتگو کرے لیکن بہت زیادہ دباؤ نہ ڈالے تو بہت سی باتیں جنہیں ان کے ناموں کے ساتھ واوین کے درمیان بیان کیا جا سکے، معلوم ہو سکتی ہیں۔

ایک جلسے یا پریس کانفرنس کے بعد لوگوں سے انٹرویو کرنا زیادہ وقت طلب نہیں ہوتا۔ فیصلوں کا اعلان ہو جانے کے بعد صحافیوں کو مختلف لوگوں سے ان کی آرا اور تبصرے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ''صوبائی کونسل نے نئی سڑک کی تعمیر کے جس فیصلے کا اعلان کیا ہے، آپ نے اس کے خلاف کیوں ووٹ دیا ہے؟'' یہ ایک نمونے کا سوال ہے جو کسی سڑک کی تعمیر کے ضمن میں کسی بھی شہری کونسل کے اجلاس کے بعد سننے میں آتا ہے۔ ایسے سوال دریافت کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کی تائید یا تردید کے بارے میں کسی سیاست دان کا موقف معلوم ہو جائے اور یہ بھی پتہ چل جائے کہ اس کے موقف کے پس پردہ کون سے اسباب کام کر رہے ہیں۔

چونکہ جلسوں کی رپورٹنگ کرنے والے رپوٹرر مقررہ وقت کے اندر اپنی کاروائی

قلم بند کرنے کے پابند ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے لیے دانش مندی کی بات یہی ہوگی کہ جلسے میں جو مسائل چھیڑے گئے ہیں، اپنے آپ کو انہی مسائل تک محدود رکھیں اگر وقت اجازت دے تو بہت سے رپورٹر ایسی کسی میٹنگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ دوسرے زیر غور مسائل پر اطلاعات فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی صوبے کی حکومت عام لوگوں کے لیے مکانات کی تعمیر کی تجویز پر غور کر رہی ہو، لیکن اجلاس میں موجود کوئی شخص اس مسئلہ کا تذکرہ نہ کرے تو پھر بھی رپورٹر بعد میں سوال کر سکتا ہے کہ تعمیر مکانات کے منصوبے پر غور و بحث کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔

جائے وقوعہ پر انٹرویو کے طریقے دوسرے تمام انٹرویوز سے مختلف نہیں، سوائے اس کے کہ پہلی طرح کے انٹرویو میں سوال پوچھنے اور ان کے جواب درج کرنے کی مہلت بہت کم ہوتی ہے۔ ایسے انٹرویو میں کامیابی کا گر یہ ہے کہ مطلب کی بات فوراً کی جائے، سوال مختصر ہو اور جب تک بات صاف نہ ہو سوال کرنا جاری رکھیں۔

کچھ خبر لکھنے کے بارے میں

حوالے کی بات چیت کس طرح شائع کی جائے، اس بارے میں اخبارات کی اپنی اپنی حکمت عملی ہے۔ بعض ایڈیٹر صاحبان رپورٹروں کو اس بات کی اجازت دے دیتے ہیں کہ جس شخص سے انٹرویو کیا گیا ہے، خبر لکھتے وقت اس کی زبان اور قواعد درست کر لی جائیں اب اگر عبارت میں ''آوَ'' کی بجائے ''آیئے'' لکھ دیا جائے تو بیشتر صورتوں میں نہ تو اخبار کے وقار پر حرف آتا ہے اور نہ انٹرویو دینے والے شخص کی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ الجھے ہوئے فقرے جو متعلقہ شخص نے واحد متکلم کے صیغے میں کہے، اس کی تلخیص کی جا سکتی ہے اور براہ راست بات چیت نقل کرنے کی بجائے اپنے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص نے یہ بات کہی۔ انٹرویو دینے والا جو کچھ کہتا ہے صحافی اسے عام فہم انداز میں بیان کر دیتے ہیں۔

لیکن جب کوئی شخص انٹرویو دیتے وقت منجھی ہوئی زبان میں گفتگو کرتا ہے تو اس کے ''بیان کو بجنسہٖ نقل کر دینا اچھا ہوتا ہے۔ کسی شخص کی اپنی زبان اور لب و لہجے کو گرفت میں لا کر پیش کر دینا اتنا ہی موثر ہو سکتا ہے، جتنا موثر رپورٹر کا اپنا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بات کرنے والے کے فقرے اگر بے ترتیب ہیں تو انہیں اس بے

ترتیبی کے ساتھ نقل کر دیا جائے ، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام آرا اور گفتگو کو اس انداز سے پیش کیا جائے جو دلچسپ بھی ہو اور جس سے خبر کا مفہوم پوری طرح واضح ہو جائے ۔

بعض لوگ جن کے طویل انٹرویو لیے گئے ہوں، اپنی خبر کا مسودہ اشاعت سے پہلے دیکھنا چاہیں گے۔ امریکی رپورٹر عام طور پر متعلقہ افراد کو ان کی خبروں کی اشاعت سے پہلے مسودہ دیکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ انٹرویو دینے والوں کو اگر اس کا موقع دیا جائے تو وہ اپنے کہے ہوئے فقروں اور بعض دوسری باتوں میں مسلسل ترمیم کرتے جائیں گے۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کا انٹرویو لیا گیا ہو، فون پر رابطہ قائم کرے بعض حقائق کے سلسلے میں ان سے دوبارہ تصدیق کر لی جائے۔ مثال کے طور پر علاج معالجے سے متعلق خبروں میں کسی خاص طبی عمل کے حوالے سے ٹیلیفون پر ڈاکٹر سے پوچھ لینا برا نہیں ہے۔ خاص طور پر اس ڈاکٹر سے، جس کا رپورٹر نے انٹرویو لیا ہو۔ یہی اصول انجینئرنگ سے متعلق خبروں پر منطبق ہوتا ہے۔ لیکن آخری بات یہ کہ حوالے کی بات چیت جو کسی کی زبان سے ادا ہو، بہرحال وقیع ہوتی ہے اور بہترین بات یہی ہے کہ اس میں ردوبدل نہ کیا جائے۔

رپورٹر کے لیے یاد رکھنے کی باتیں :

- کس طرح کی اطلاع درکار ہے؟ کیا فون پر کام چل جائے گا یا متعلقہ شخص سے فون پر ملاقات کا وقت مقرر کرنا ہوگا۔
- کیا میں نے پس منظر کو سمجھنے کے لیے گہری چھان بین کر لی ہے؟
- کیا میں نے سوالات مرتب کر کے کاغذ پر لکھ لیئے ہیں؟ اس کا اطلاق طویل انٹرویوز پر بطور خاص ہوتا ہے۔
- کیا اس انٹرویو کی ایک مقررہ ساخت ہے، یعنی، ابتدائیہ، وسطی حصہ اور پھر اختتامیہ؟
- مجھے قلم استعمال کرنا ہوگا یا ٹیپ ریکارڈر؟
- انٹرویو کے لیے روانگی سے پہلے کیا میں نے موزوں لباس پہن لیا ہے اور نک سک سے درست ہو کر نکل رہا ہوں اور کیا اس ملاقات کے لیے مجھے اچھا خاصا وقت مل جائے گا؟
- اگر ٹیپ ریکارڈر لے کر چلنا ہے تو کیا وہ صحیح کام کر رہا ہے؟
- کیا میں نے اہم نکات جو سوالوں کے جواب میں پیدا ہو سکتے ہیں، ترتیب دے لیے ہیں؟

3

فیچر نگاری

ہر اخبار میں فیچر کی حیثیت کھانے میں نمک کی سی ہوتی ہے۔ جہاں اخبار میں سیاسیات، جرائم، معیشت اور ارضی وسماوی آفات کی خبریں چھائی ہوئی ہوں' وہاں ان کے کالموں میں فیچر بھی جگہ پاتے ہیں، لوگوں کے بارے میں، مقامات کے بارے میں اور اشیاء کے بارے میں فیچر، جن میں ممکن ہے کہ فوری نوعیت کی خبر موجود نہ ہو، لیکن انسانی جذبے سے مملو مواد ضرور فراہم کرتے ہیں، ان میں المیہ، طربیہ، شجاعت پر مبنی اور معمول کے واقعات، مانوس بھی اور محیر العقول بھی جگہ پاتے ہیں اور قارئین کے ذہنوں پر اثر انداز ہوتے ہیں بعض اعلیٰ درجے کے فیچر دوامی قدر و قیمت کے مالک ہوتے ہیں ان میں ایک اچھی کتاب یا البم جیسی دائمی کشش ہوتی ہے۔ معیاری فیچر قریب قریب ادب پارے ہوتے ہیں کسی اخبار میں ایسی تحریر بہت وقیع شمار ہوتی ہے۔

فیچر نگاری میں اس کے مصنف کے لیے کئی طرح کے چیلنج موجود ہوتے ہیں، اس میں روزمرہ کی خبر نویسی کی بجائے صحافی کو یہ آزادی حاصل ہوتی ہے کہ معکوس اہرام کا انداز اختیار کرے اور اپنی تحریر میں اسلوب کے حسن، فطانت، بے تکلفی اور جذبات نگار سے کام لے کر تحریر میں جان ڈال دے اس میں موضوع کی کوئی قید نہیں۔ فیچر اسٹوری میں ادب کی ٹیکنیک شامل کی جا سکتی ہے، اس میں مکالمہ، منظر نگاری اور حسن تخیل کی شمولیت بھی ممکن ہے، اس میں المیہ عنصر بھی داخل کیا جا سکتا ہے اور مزاحیہ بھی، اور موقع و محل کے مطابق فیچر نگار اپنی رائے بھی دے سکتا ہے۔

فیچر نگاری آسان نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ آسان لگتی ہے۔ ایک خبر چند افراد کی گفتگو کے ساتھ لکھ ڈالیئے اور فیچر تیار ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اس میں بہت سی مشکلات درپیش ہوتی

ہیں، کیونکہ فیچر نگاری کا کوئی طے شدہ ڈھانچہ نہیں ہوتا اور اس طرح کی دشواری ان صحافیوں کو خاص طور پر درپیش ہوتی ہے جو اخباری خبریں لکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ دوسرے صحافی اس لیے ناکام رہتے ہیں کہ ان سے فیچر نگاری کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ عام حالات میں فیچر کو صفحہ اول کی خبر شمار نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس میں کسی خاص دن میں پیش آنے والے اہم واقعات کا اندراج ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ لوگ جن میں تخلیق کا ملکہ پایا جاتا ہے، اگر فیچر نگاری میں طبع آزمائی کریں تو انہیں کوئی اور شعبہ اس سے بہتر نظر نہیں آئے گا۔

موضوعات کی تلاش

فیچر نگاری کا اہم ترین سبق یہ ہے کہ فیچر نگار تقریباً ہر موضوع کو فیچر کا رنگ دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کا گہرا ہو، اس میں سوال کرنے اور تلاش کرنے کا ملکہ ہو، وہ اپنی معلومات کو مرتب کرنا جانتا ہو اور اس کی تحریر میں سلیقہ اور رکھ رکھاؤ ہو۔ ایسے موضوعات جو انتہائی مایوس کن ہوتے ہیں ان پر بھی انتہائی کامیاب بلکہ تہلکہ خیز فیچر لکھے جا سکتے ہیں۔ شکاگو ریڈر ایک ہفت روزہ ہے، اس نے ایک فیچر 19 ہزار الفاظ پر مبنی مکس پروری یونی شہد کی مکھی پالنے کے موضوع پر شائع کیا۔ اسی طرح اٹلانٹک میگزین نے ایک مختصر اور رنگا رنگ تحریر اور رنگا رنگ تحریر اریزون سٹی میں ہمسائیگی کے موضوع پر شائع کی۔ اس طرح کی لاتعداد تحریریں موجود ہیں۔ اور دو اخبارات میں سماجی موضوعات، مثلاً سیر و سفر، جرم و سزا اور رفاہی اداروں کی کارگردگی پر نہایت کامیاب فیچر شائع ہوتے رہے ہیں۔

ویسے تو فطری طور پر ایڈیٹر صاحبان کو فیچر کے نئے نئے موضوعات سوجھتے ہیں، جن سے فیچر لکھنے والوں کو مدد ملتی ہے، لیکن وہ خود بھی اپنے طور پر نئے موضوعات ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔ وہ ایک موسیقار کے کان سے سنتے ہیں اور مصور کی آنکھ سے دیکھتے ہیں انہیں مطالعے کا، تحقیق و جستجو کا اور لوگوں کے خیالات سننے کا بے پناہ شوق اور زندگی سے والہانہ محبت ہوتی ہے۔

دوست، احباب، رشتے دار اور خود اخبارات بھی فیچر نگاری کے لیے نئے نئے موضوعات فراہم کرے ہیں۔ فرض کیجئے، آپ یعنی ایک فیچر نگار سے آپ کا دوست اپنے کاروباری شعبے میں کسی نئے رجحان کا ذکر کرتا ہے۔ لیجئے، ایک اچھے فیچر کا موضوع ہاتھ آ

گیا۔ آپ کا کوئی رشتے دار اپنے ایک ہمسائے کا ذکر کرتا ہے جو فرصت کے اوقات میں مغلیہ عہد کے گمنام مصنفوں کے مسوادت پڑھتا رہتا ہے یہ ایک اور فیچر کا موضوع ہے۔ دیوار پر ایک پوسٹر چپکایا گیا ہے، جس میں لکھا ہے کہ رضا کاروں کا ایک گروہ مرکزی حکومت سے سرمائے کے حصول کے لیے تگ و دو کر رہا ہے، تا کہ یہ رقم لاوارث بچوں کی نگہداشت میں کام آ سکے۔ یہ بھی فیچر کا ایک اچھا موضوع ہے۔ آپ کے لیے گر کی بات بس یہی ہے کہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھیں، ہر وہ بات جو سننے میں آئے اور آپ کی دلچسپی کی ہو، اس کے سلسلے میں چھان پھٹک کر لیں۔ اخبار میں کاروبار کے صفحات پر نظر ڈال لیا کریں یا روزانہ کی مصروفیات کا جو شیڈول شائع ہوتا ہے اسے پڑھ لیا کریں۔ کیا شہریوں کا ایسا کوئی گروپ ہے، جو ان مسائل پر کام کر رہا ہے، جن کا تذکرہ آپ کے اخبار میں نہیں۔ مثلاً شراب نوشی یا پرخوری وغیرہ۔

عام لوگوں میں مروجہ میلانات کا جائزہ لیجئے۔ امسال لوگوں کا لباس کیا ہے؟ ان کے پسندیدہ رنگ کون سے ہیں؟ وہ کس طرح کی دعوت، مدارات کا اہتمام کرتے نظر آتے ہیں۔ کاروں کے مقبول برانڈ کون سے ہیں؟ رجحان پر مبنی فیچر کی ایک اچھی مثال لاہور کے ایک روزنامے میں نظر آئی۔ فیچر نگار نے شادیوں میں بینڈ باجے کی موجودگی کے رجحان کا تذکرہ کیا تھا۔ رجحانات پر لکھنے میں بالعموم بہت لطف آتا ہے۔

ریستوران میں بیٹھے ہوئے لوگ کیا باتیں کرتے ہیں، کبھی کان لگا کر سنئے۔ دوسرے اخبارات بھی پڑھئے۔ ان چھوٹی چھوٹی خبروں پر بھی نظر ڈالتے چلئے جنہیں زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ ممکن ہے کہ اس میں ''خبر'' اس سے کہیں زیادہ ہو، جتنی رپورٹر کو نظر آئی۔ (یہ بات قتل کی خبروں پر خاص طور سے صادق آتی ہے) مجلّے بھی پڑھئے، بلکہ اشتہارات بھی۔ ان سے کوئی نیا خیال سوجھ سکتا ہے امریکہ میں پیٹر گرین برگ ایک مشہور سفری نامہ نگار ہے۔ فری لانس صحافت کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے ایک بار اس نے کہا کہ اپنے لیے موضوع تلاش کرنے کی خاطر اسے 18 اخبارات کھنگالنے پڑتے ہیں۔ اس تلاش سے جو موضوعات حاصل ہوتے ہیں ان پر لکھے جانے والے بعض نہایت اچھے فیچر مجلوں کی زینت بنتے ہیں۔ گم شدہ بچوں اور ضرورت رشتہ کے اشتہارات کی مدد سے اخبارات میں نہایت عمدہ فیچر شائع ہوتے ہیں۔

نیویارک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس شہر کے گلی کوچوں میں ایک ہزار فیچروں کے موضوع بکھرے ہوئے ہیں۔ یہی بات لاہور، کراچی، جکارتہ اور بنکاک پر صادق آتی ہے۔ پھیری والے، رکشا ڈرائیور، حجام، گویے اور شاعر، بچوں میں جرائم پھیلانے والے افراد اور منشیات کے کاروبار میں شریک امراء یہ سبھی فیچر کے موضوع بن سکتے ہیں، اسی طرح فنکاروں، شاعروں، موسیقاروں اور عجیب وغریب شوق اور مشاغل کے مالک افراد سے انٹرویو کئے جا سکتے ہیں۔

فیچر کی ساخت

ایک رپورٹر کو یہ بتانا کہ فیچر کیسے لکھا جاتا ہے ایسا ہی ہے جیسے کسی نوآموز ناول نگار کو یہ سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ کتاب کس طرح لکھتے ہیں۔ فن کسی طرح کا بھی ہو، اس کے کچھ گر ہوتے ہیں لیکن بندھا ٹکا فارمولا یا کلیہ نہیں ہوتا۔ یہ سلیقہ تجربے سے آتا ہے۔ تجربے کی بدولت ہی صحافی کو اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے موضوع کو سمجھ کر اسے اس طرح برتا جائے کہ قارئین سے اس کی دلچسپی قائم ہو اور وہ اسے شوق سے پڑھیں۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک ''سٹوری'' کی ساخت چھوٹے پیمانے پر ایک عمارت کی ساخت کی طرح ہے تو صحافی کے اندر چھپے ہوئے ماہر تعمیرات کو بروئے کار آنا چاہیے۔ ہر عمارت کا بلیو پرنٹ ہوتا ہے۔ سٹوری کا بلیو پرنٹ وہ خاکہ ہے جو بالعموم صحافی کے ذہن میں ترتیب پاتا ہے تحریر کی ابتدا کیسے کی جائے، وسط کا حصہ کس طرح لکھا جائے اور اس کا خاتمہ کس طرح ہو، یہ باتیں ذہن میں ترتیب پاتی ہیں۔ ایک بار لکھنے کے بعد دوبارہ لکھنا تاکہ تحریر معیاری ہو، ایک لازمی امر ہے۔ خبر نگاری میں نہ سہی، لیکن فیچر نگاری میں تو ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔ فیچر نگاری میں زیادہ تخلیقی صلاحیت اور حسن کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ فیچر کا آغاز و انجام کیسے ہو، یہ بات تجربے سے سمجھ میں آتی ہے، لیکن فیچر نگاری کا فائدہ یہ ہے کہ دوسری صحافیانہ تحریروں کے مقابلے میں یہاں صحافی کو آزادی حاصل ہوتی ہے کہ جو بھی پیرایہ پسند آئے اختیار کرے اور جیسے چاہے لکھے۔

ابتدائیہ

ایک تعارفی پیراگراف یا ابتدائیہ کسی بھی انداز سے لکھا جا سکتا ہے۔ البتہ ایک

اچھے ابتدائیے کی خصوصیت اس میں انسانی عنصر کا پایا جانا ہے۔ یہ کوئی اچھا ابتدائیہ نہ ہوگا کہ کسی چیز کے بارے میں عمومی انداز میں بات کی جائے۔ اپنے موضوع گفتگو کو انسانی حوالے سے تحریر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ قارئین اس سے فوراً اپنا رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ اس میں مزاح بھی شامل ہے اور بیانیہ انداز بھی۔

بہر حال، جیسا کہ یہاں نمونے کی چند مثالوں سے واضح ہوگا، ابتدائیے کے لیے ہرگز ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ ہی انسانوں کے بارے میں ہو۔ لیکن موزوں وار برمحل ہوتو یقیناً موثر ہوگا۔ یہاں وہ چند عام طریقے بیان کئے جاتے ہیں جو اچھے مصنفوں نے اپنے فیچر کے آغاز میں اختیار کئے:

> ''نومبر کا مہینہ تھا۔ لندن کا موسم انتہائی سرد تھا۔ پورا لندن موسم سرما کی سرد لہر میں لپٹا ہوا تھا۔ اس عالم میں انگلستان کی پارلیمنٹ میں وہاں کے بادشاہ جارج پنجم نے پہلی گول میز کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اس کانفرنس کا مقصد یہ تھا گفت وشنید کریں۔ کانفرنس کے باقاعدہ افتتاح کے بعد دونوں طرف سے تقاریر کا گرما گرم سلسلہ شروع ہوا۔ انگریز رہنماؤں نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا اور برصغیر کے لیڈروں نے اپنے نقطہ نظر کی تفصیلی وضاحت کی۔ ان رہنماؤں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو بستر علالت سے اٹھ کر ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے یہاں آیا تھا۔ جب اس شخص کی باری آئی تو اس نے نہایت شستہ انگریزی میں تقریر کی۔ ان کی تقریر سے پورے ہال میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔

انگریزوں نے کسی غیر ملکی کو ایسی شستہ زبان میں زوردار اور مدلل تقریر کرتے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ جو کچھ بیان کر رہا تھا، اس کی دلیلیں بھی ساتھ ہی دے رہا تھا۔ اپنی تقریر میں اس نے نہ بادشاہ کی پرواہ کی اور نہ وزیروں کی۔ اس نے پارلیمنٹ کے اراکین سے مخاطب ہو کر کہا: ، میں آپ کے ملک میں ایک مقصد لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں یہاں سے آزادی کا پروانہ لے کر جاؤں۔ میں غلام ملک میں کبھی واپس نہ جاؤں گا بلکہ اس آزاد ملک میں موت کو اپنی غلامانہ زندگی پر ترجیح دوں گا۔ اگر آپ نے ہمیں آزادی نہ

دی تو آپ کو مجھے اپنے ملک میں قبر کے لیے جگہ دینی پڑے گی ....'

''یہ الفاظ اس عظیم رہنما کے ہیں، جنہیں آج دنیا مولانا محمد علی جوہر کے نام سے جانتی ہے''---مشرق 4 جنوری 1991ء

جیسا کہ آپ نے دیکھا، مولانا محمد علی جوہر کے بارے میں یہ ایک فیچر کا ابتدائی حصہ ہے۔ ایک مضمون نگار اگر مولانا کا سوانحی خاکہ لکھتا تو اس کا اسلوب کچھ اور ہوتا مثلاً یہ کہ ''برصغیر میں تحریک آزادی کے عظیم رہنما اور مسلم لیگ کے نامور قائد مولانا محمد علی جوہر رام پور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علی گڑھ میں تعلیم پائی۔ تحریر اور تقریر دونوں میں انہیں ملکہ حاصل تھا---'' وغیرہ وغیرہ۔ فیچر نگار اس روایتی اسلوب سے کنارہ کشی کرتے ہوئے ڈرامائی انداز اختیار کرتا ہے۔ لندن۔ نومبر کا سرد موسم۔ ان الفاظ سے ذہن میں ایک اجنبی شہر کے سرد اور نامہربان موسم کا نقشہ پھر جاتا ہے پھر گول میز کانفرنس کا اجلاس ایک باجبروت سلطنت کے بادشاہ اور اس کے وزراء کی مرعوب کن موجودگی۔ ان الفاظ سے ایک ماحول پیدا ہوتا ہے اس کے بعد ہندوستانی وفد کے ایک رکن کی ولولہ انگیز تقریر۔ شستہ، مدلل اور زوردار تقریر۔ یہاں تک پڑھنے کے بعد قاری کا متجسس ذہن یہ جاننے کے لیے بے چین ہو جاتا ہے کہ آخر وہ مقرر کون تھا، جس نے جلیل القدر حکمرانوں سے بھی مرعوب ہونا نہیں سیکھا تھا۔ فیچر نگار کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ ایک ڈرامائی ماحول پیدا کر کے قارئین کو اپنی تحریر کی طرف کھینچ لے، اپنے فیچر میں ان کے لیے دلکشی پیدا کرے اور ابتدائی فقروں میں سسپنس باقی رکھے۔ اس طرح قارئین اس کی تحریر کو دلچسپی سے پڑھیں گے۔

یہ تمہید قدرے طویل ہو گئی۔ طویل تمہید بعض صورتوں میں منفی تاثر پیدا کرتی ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب فیچر کا ابتدائیہ کسی طویل اقتباس سے مرتب کیا جائے اور یہ اقتباس کسی سپاٹ اور غیر دلچسپ عبارت پر مبنی ہو۔ اس صورت میں قاری چند سطریں پڑھنے کے بعد اسے چھوڑ دے گا۔ مذکورہ بالا تحریر اگر قدرے مختصر ہوتی تو اس کے تاثر میں اضافہ ہو جاتا۔

فیچر کا آغاز کس طرح کیا جائے اس کے بندھے ٹکے اصول تو نہیں، لیکن ایک بات طے ہے کہ اس میں قارئین کی گہری دلچسپی کا عنصر ضرور ہونا چاہیے۔ تجسس، تحیر، ڈرامائی کیفیت، دلاویز اور دلنشین عبارت، یہ وہ خوبیاں ہیں جو قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور فیچر پڑھتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے اس کے طلسم میں کھو جاتا ہے۔ اب آپ ایک

اور فیچر کی ابتدائی سطور ملاحظہ کیجیے:

''طوفانی انداز میں شفا خانے کے شعبہ ہنگامی امداد میں ایک گروہ داخل ہوا۔ مریض اسٹریچر پر تھا اور ساتھ ساتھ اس کے رشتے دار شور کرتے ہوئے اندر داخل ہو رہے تھے، حالات تشویش ناک اور وقت کم تھا۔ فوری طور پر طبیب نے بحالی قلب و نفس کے لیے مریض کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے کہ اس کے سینے کو دبائے۔ وہ بیمار کے قریب خمیدہ ہو کر اس کا سینہ دبانے لگا۔ اس کی بیوی جو پردے کی اوٹ میں یہ سب دیکھ رہی تھی، ہذیانی انداز میں چیختی ہوئی اندر گھس آئی اور طبیب کو تقریباً دھکے دیتے ہوئے بولی، یہ کیا کر رہے ہو؟ خدا کے لیے میرے میاں کو بچاؤ۔

طبیب کے لیے اس صورت حال سے نپٹنا مشکل ہو گیا۔ طبیب نے مریض کو اپنے معاون پر چھوڑا اور خود مریض کی اہلیہ اور دیگر اعزہ کو صورت حال سمجھانے کی سعی ناکام میں مصروف ہو گیا۔ مریض کے تمام ساتھیوں کی زبان پر ایک ہی فریاد تھی، خدا کے لیے اسے بچاؤ۔ خرچ کی پرواہ مت کرو۔ کوئی بھی دوا ہو، ہم ابھی لانے کے لیے تیار ہیں۔ باہر سے بھی منگا سکتے ہیں۔ اس کے تمام رشتے دار حواس باختہ تھے، اس وقت صورت حال فوری توجہ کی محتاج تھی کہ معاملہ صرف لمحات کا تھا۔ نہ باہر سے کوئی دوا آسکتی تھی اور نہ مزید کسی دوا کی ضرورت تھی۔ بیمار کو صرف ماہرانہ بحالی قلب و نفس کی ضرورت تھی جو طبیب اور اس کے معاون چند تدابیر و تراکیب سے انجام دے سکتے تھے مگر اس کے ادا کرنے کا ان کو موقع نہیں دیا جا رہا تھا۔''

(جنگ۔ کراچی 4 جنوری 1990ء)

یہ فیچر جیسا کہ آپ نے اندازہ کیا ہو گا۔ معالج کی مجبوریوں کے موضوع پر ہے۔ شفا خانوں میں مریضوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان میں تیمار داروں اور مزاج پرسی کے لیے آنے والوں کا رویہ بھی شامل ہے، جو اپنی لاعلمی یا خود غرضی سے طرح

طرح کے مسائل پیدا کرتے ہیں اور معالج اور شفا خانے کے عملے کا کام دو چند ہو جاتا ہے۔ فیچر کے آغاز میں ایک مثال دے دی گئی ہے، جو کسی اسٹیج ڈرامے کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ اس میں تحیر بھی اور سسپنس بھی ہے۔ قاری جاننا چاہتا ہے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو مریض کی شفا یابی کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہیں، اپنی بے تدبیری سے اس کی زندگی کے درپے ہو رہے ہیں، اگر وہ ذرا تحمل سے سے کام لیں اور خاموشی کے ساتھ معالج کو اپنا فرض ادا کرنے دیں تو مریض کی جان بچالی جائے۔ فیچر کے آغاز میں جو مثال دی گئی ہے، فیچر کا مقصد موثر طور پر بہت کچھ اسی مثال سے واضح ہو جاتا ہے اور اس کی ڈرامائیت سے محظوظ ہو کر قاری فیچر کو آخر تک پڑھنا چاہتا ہے۔

فیچر میں تجسس کس طرح پیدا کیا جاتا ہے اس کی ایک اور مختصر سی مثال ملاحظہ کیجئے:

> ''پانچویں جماعت کی ایک طالبہ کو ایک اشتہاری کمپنی نے اپنے کمرشل میں کام کرنے کی پیشکش کی تو نوعمر طالبہ بھونچکی رہ گئی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ کبھی ٹیلیویژن یا فلم کے اسکرین پر آرٹسٹ کی حیثیت سے نمودار ہوگی وہ تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے پہلے پہل تو اس نے اس پیشکش کا کوئی مثبت جواب نہ دیا، لیکن اپنی بڑی بہن فاخرہ کے مجبور کرنے پر جو خود بھی ٹی وی کے کمرشل میں کام کرتی تھی، اس نے حامی بھر لی۔ چنانچہ اس نے جیٹ واشنگ پوڈر کے کمرشل میں کام کیا اور راتوں رات شہرت کی بلندی کو چھولیا۔ اس کے چہرے کے کمسن تاثرات اور بھولی بھالی اداؤں سے فلم سازوں کو اس حد تک متاثر کیا کہ وہ اس کے گھر کے چکر لگانے لگے۔
>
> معصوم طالبہ بابرا شریف کو اس بات کا یقین ہی نہیں تھا کہ وہ کبھی ملک کی سب سے بڑی آرٹسٹ کہلائے گی۔''

(جنگ۔ کراچی 4 جنوری 1991ء)

عام لوگوں کی عادات مطالعہ پر ایک فیچر کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

> ''یہ لاہور کی سب سے معروف سڑک مال روڈ پر واقع ایک معروف

اور مشہور بک اسٹال کا منظر ہے۔ وسیع رقبے پر پھیلی اس دکان میں مختلف شعبے ہیں اور ہر شعبے میں سجی بنی بے شمار کتابیں۔ کتابوں سے ذرا پرے اسٹیشنری، ویو کارڈ، ڈائری، کیلنڈر اور اسی طرح کی دوسری اشیا اور ان کے ساتھ ایک بڑے رقبے کو گھیرے ہوئے بڑے بڑے میزوں پر رسائل کا انبار۔ نئی نئی کتابیں دیکھ کر میرا بڑا جی خوش ہوا۔ کتنی دیر میں ان کے ٹائٹل دیکھتا رہا اور پھر اس کام کی طرف متوجہ ہوا جس کے لیے یہاں آیا تھا۔ مجھے صرف خریداروں کو دیکھنا تھا۔ ان کے مزاج اور پسند کا ایک بار پھر جائزہ لے کر کچھ نتائج اخذ کرنے تھے، ایک گھنٹے میں چھ لوگوں نے ادبی کتابیں خریدیں، 12 نے رسائل، 5 نے انگریزی ناول، 10 نے بچوں کی تصویری کہانیاں اور 79 نے ویو کارڈز اور اسٹیشنری کی ملی جلی اشیا جب کہ 27 صرف ورق گردانی کر کے دکان سے باہر چلے گئے۔ دو عمر رسیدہ لوگ اس ایک گھنٹے کے بعد بھی ورق گردانی میں مصروف رہے۔''

(نوائے وقت 28 دسمبر 1990ء)

فیچر کے آغاز کا یہ سادہ سا انداز ہے، لیکن فیچر نگار کے ذاتی تجربے نے اس سادگی میں کشش پیدا کر دی ہے۔ لوگ کیا پڑھنا چاہتے ہیں اور کس طرح کی مطبوعات خریدنا ناپسند کرتے ہیں، اس کا ایک سرسری اندازہ ان چند سطور سے ہو جاتا ہے۔

نیوز فیچر

کچھ فیچر خبروں کے حوالے سے وجود میں آتے ہیں۔ خبر میں تمام ضروری باتیں سمیٹ لی جاتی ہیں، لیکن اس کے پہلو بہ پہلو کچھ اور حقائق بھی ہوتے ہیں جن کے لیے اخبار کے کالم میں گنجائش نہیں ہوتی اور نہ ان میں خبر کی طرح فوری اور ہنگامی دلچسپی کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ لہٰذا ان حقائق پر مبنی فیچر لکھے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر 1988ء کے انتخابات کے دوران میں بعض اخبارات نے ایک ضعیف العمر خاتون کے بارے میں، جن کی عمر ان کے اندازے کے مطابق 185 سال تھی، فیچر شائع کیا، جس میں بتایا گیا تھا

کہ خاتون کے پڑپوتوں نے کس طرح انہیں پولنگ اسٹیشن تک پہنچایا اور انہوں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔ یقین نہیں آتا کہ خاتون کی عمر اتنی ہی تھی، لیکن فیچر کی تفصیلات دلچسپی سے خالی نہ تھیں۔ دیکھا جائے تو انتخابات کے حوالے سے اور کئی فیچر نکلتے ہیں۔ مثلاً ایک فیچر ان لوگوں کے بارے میں ہوسکتا ہے جو دیواروں پر نعرے لکھتے ہیں اور رات کے اندھیرے میں پوسٹر چسپاں کرتے ہیں۔ ایک اور فیچر ان لوگوں کے بارے میں ہوسکتا ہے، جو انتخابات کے وسیلے سے اپنی روزی پیدا کرتے ہیں، پوسٹر، کتابچے، ہینڈ بل اور مضامین لکھنے والے، تقریریں لکھنے والے، انتخابی مہم میں شریک ورکر اور کرسیاں، کراکری، تمبو، شامیانے کا کاروبار کرنے والے افراد۔ ان شہروں کے بارے میں بھی فیچر شائع ہو سکتے ہیں، جہاں انتخابی معرکے گرم ہوئے، مثلاً کوٹ ادو ایک عام سا قصبہ ہے، لیکن نیشنل پیپلز پارٹی کے لیڈر غلام مصطفیٰ جتوئی اور پاکستان پیپلز پارٹی کے امیدوار کے درمیان جب شدید انتخابی مقابلہ درپیش ہوا اور وہاں بڑے بڑے جلسے ہونے لگے تو اخبارات میں کوٹ ادو کا نام اس طرح اہمیت کر گیا جیسے لاہور، کراچی اور پشاور۔ اس وقت بعض اخبارات نے کوٹ ادو پر مختصر فیچر شائع کئے۔ مثال کے طور پر صدر مملکت کسی شہر یا چھوٹے قصبے کا معائنہ کرنے جا رہے ہوں تو ان کی آمد کی تیاریوں کے بارے میں فیچر شائع کئے جا سکتے ہیں، جنوبی ایشیا کے ملکوں کے سربراہوں کی ایک کانفرنس مالی یا کھٹمنڈو میں ہو رہی ہو تو ان شہروں کے بارے میں فیچر دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

فیچر کا وسطی حصہ

کسی فیچر کا ڈھانچہ استوار کرنا ایک مشکل کام ہوتا ہے۔ حوالے کی بات چیت اور ضروری تفصیلات کو آپس میں اس طرح مربوط کرنا کہ قارئین اسے آخر تک دلچسپی سے پڑھیں، نہایت محنت طلب ہوتا ہے۔ دشواری خاص طور پر اس وقت ہوتی ہے، جب فیچر نگار کے پاس اعداد و شمار، واوین کے درمیان لکھی جانے والی عبارت اور تفصیلات بکثرت موجود ہوں۔ فیچر اگر طویل ہو تو بہتر ہوگا کہ اس کا ایک خاکہ الگ کاغذ پر پہلے سے بنا لیا جائے اس سے خاصی مدد ملے گی یا ایک ''کچا'' مسودہ لکھا جائے تاکہ جب اسے دوبارہ لکھا جائے تو وہ ہر طرح سے درست اور بے عیب ہو۔ ''کچے'' مسودے میں ترمیم و اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ اگر ایک فیچر نگار ہیں اور اپنے فیچر کا ابتدائیہ بیانیہ انداز میں لکھ رہے ہیں تو اس بیان کو طول نہ دیجئے، ورنہ قارئین مخمصے میں پڑ جائیں گے اور ان کی سمجھ میں ہی نہیں آئے گا کہ آپ کیا لکھتے جا رہے ہیں۔ قاری کے لیے اس سے زیادہ اذیت ناک کوئی اور بات نہیں ہو سکتی کہ اصل موضوع سے متعارف ہونے اور معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اسے آدھا مضمون پڑھنا پڑے۔ آپ قارئین کا امتحان نہ لیجئے ان کے صبر کی آزمائش نہ کیجئے، ورنہ وہ اکتا جائیں گے اور ورق الٹ کر دوسرا مضمون پڑھنے لگیں گے۔

ہر فیچر کا ایک ابتدائیہ، ایک وسطی یا درمیانہ حصہ اور ایک اختتامیہ ہوتا ہے۔ اسے لکھنے کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ خبر کی طرح لکھا جائے یعنی اہم اور دلچسپ باتیں ابتدا میں ہی لکھ دی جائیں، اپنے موضوع کو متعاف کراتے ہوئے حوالے کی گفتگو نقل کی جائے، پھر کوئی مکالمہ یا صورت احوال کا کوئی بیان ہو۔ یہ سب فیچر نگاری کے موثر اور آزمودہ طریقے ہیں۔ اسی طرح اپنے نقطہ نظر کی صراحت کے لیے ٹھوس مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ اس سے بھی فیچر میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

فیچر نگاری میں اسلوب کی خاص اہمیت ہے۔ فیچر نگار کو ایسی عبارت لکھنی چاہیے، جس کے فقرے مفرد اور براہ راست ہوں۔ مثلاً یہ عبارت: ''مسٹر زید جو ایک اسکول ٹیچر ہیں، اس وقت اپنے طلبہ سے باتیں کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ انہیں اپنا کام دوسروں پر چھوڑنے کی بجائے یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ان کا کام اپنے ہاتھوں خود ہی انجام پذیر ہو۔''

یہ مرکب فقرے ہیں اور بالواسطہ ہیں۔ اس کے علاوہ پیچیدہ اور گنجلک ہیں۔ یہی عبارت اس طرح لکھی جا سکتی ہے۔ ''مسٹر زید ایک اسکول ٹیچر ہیں وہ اپنے طلبہ سے باتیں کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ آپ اپنا کام دوسروں پر نہ چھوڑیئے بلکہ کوشش کر کے اسے خود ہی انجام دیجئے۔''

''یہ فریضہ میرے ہاتھوں تکمیل کے مرحلے تک پہنچا'' ایک ثقیل عبارت ہے۔ اسے یوں بھی لکھ سکتے ہیں'' ''یہ فریضہ میں نے ادا کیا۔''

فیچر کی عبارت توانا اور گھٹی ہوئی ہونی چاہیے۔ اس میں رنگا رنگ تفصیلات اور اہم اعداد و شمار بے ساختہ انداز سے آنے چاہئیں، فیچر میں بے ساختگی اور بے تکلفی بھی ہو سکتی ہے، متانت اور گہری سنجیدگی بھی۔ اس کا انحصار فیچر کے موضوع پر ہے۔ فیچر نگار کو چاہے کہ

اپنے موضوع کو اچھی طرح سمجھ لے اور پھر یہ طے کر لے کہ اس کا لہجہ کیا ہوگا اور جب اس کا تعین کر لے تو اس لہجے کو آخر تک برقرار رکھتے سنجیدہ عبارت لکھتے لکھتے قلم کا رخ اچانک مزاح کی طرف موڑ دینا یا مزاح سے سنجیدگی کی طرف چل پڑنا کوئی اچھی بات نہیں۔

فیچر کی جو ساخت وضع کی گئی ہے، اس میں ضروری اجزا یہ ہیں: پس منظر کی تفصیل، رنگ آمیزی، حوالے کی عبارت (جو واوین کے درمیان لکھی جاتی ہے) مکالمے اور اختتامیہ۔ ایک محتاط قاری کو مطالعہ کے دوران میں خود ہی یہ معلوم ہو جائے گا کہ ابتدائیہ میں جن نکات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، متن میں انھی کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ابتدائیہ میں جو مثالیں درج کی گئی تھیں، متن میں انھی مثالوں کو مناسب انداز سے شامل کیا جا سکتا ہے۔

پس منظر

آپ اپنے فیچر میں جس فرد یا گروہ کا کردار پیش کر رہے ہیں یا جس رجحان سے بحث کر رہے ہیں، ابتدائی چھ پیراگراف کے اندر کہیں نہ کہیں اور کچھ نہ کچھ اس کا پس منظر بیان کرنا نہ بھولیئے۔ ایک شخص کی عمر اور ایک خاص پیشے میں اس کی آمد کی تاریخ سے قارئین کو اس کے تجربے اور بعض دیگر امور کا خود ہی اندازہ ہو جائے گا، مثلاً کسی فلم اسٹار کو پہلی بار نمایاں ہو کر سامنے آنے کا موقع کب ملا؟ خواتین کا ایک مخصوص گروہ کب قائم ہوا؟ ایک سیاست دان پہلی بار کب کسی عہدے کا امیدوار ہوا اور وہ کون سے عوامل تھے، جن کی بدولت اسے کامیابی حاصل ہوئی؟ خواتین میں شلوار قمیض کا فیشن کب آیا؟ وغیرہ وغیرہ، یہ وہ سوالات ہیں، جن کے جواب، ان میں سے ہر متعلقہ فیچر کے ابتدائی پیراگراف میں مل جانے چاہئیں۔

ہر اس فرد کے بارے میں جسے فیچر نگار متعارف کراتا ہے، پس منظر کے طور پر ایک دو پیراگراف ضرور لکھے ہونے چاہئیں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ فیچر میں اس شخص کی اہمیت کتنی ہے۔ اگر اس کی حیثیت کلیدی ہے تو اس کا تعارف بھی اسی طرح مفصل ہونا چاہیے اور اگر معمولی اہمیت ہے تو اس کا سرسری تذکرہ کافی ہوگا۔ اسی طرح، ہر نوع کے فیچر کے لیے تفصیلات مہیا کرنا ضروری نہیں۔ ایک اور اہم بات یہ کہ بہت سی تفصیلات ایک دو فقروں ہی میں سمیٹی جا سکتی ہیں، دراصل اس کا انحصار فیچر نگار کی عبارت پر ہے۔ مثلاً

یہ فقرہ : جب گھڑی نے دو پہر کے دو بجائے اور ڈاکٹر کے کلینک کا آخری مریض بھی رخصت ہوگیا تو 26 سالہ مسعود جوادو یہ ساز کمپنی کی پانچ سالہ ملازمت کے دوران سرجن افتخار سے ملاقات کے لیے یہاں پہلی بار آیا تھا۔ سرجن کے کمرے میں جھانکتے ہوئے بولا، گردے کی تبدیلی کے اس مریض کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جس کے بارے میں اخبارات کئی دن سے خبریں شائع کر رہے ہیں اور جس کا مقدمہ اب عدالت میں بھی پیش ہونے والا ہے۔ اس فقرے میں بہت سی تفصیلات سمٹ آئی ہیں۔ مسعود کا تعارف یعنی اس کی عمر پیشہ اور مدت ملازمت سرجن کے کلینک میں اس کی موجودگی کا وقت، کلینک سے مریضوں کا ایک ایک کر کے رخصت ہونا، مسعود کی آمد کا مقصد اور وہ مسئلہ جس کے بارے میں وہ سرجن کا ردعمل جاننے کا خواہش مند تھا۔

اب تک مختصر تعارف کی مثال ملاحظہ ہو: ''چالیس سالہ انور نیا ٹی وی ڈرامہ لکھنے سے پہلے سات جاسوسی ناول لکھ چکا تھا۔''

اس مثال کا مقصد یہ بتایا ہے کہ جگہ جتنی کم ہوگی۔ پس منظر کی معلومات بھی اسی قدر مختصر ہوں گی۔ اسی طرح ایسے افراد کی نمایاں کامیابیوں کو فیچر کے ایک پیراگراف میں بیان کر دینا کافی ہوگا۔ مثلاً جہانگیر خاں کا تعارف ٹیپ کرتے وقت ان تفصیلات میں جانا ضروری نہیں کہ وہ اسکواش چمپئن شپ کے عالمی مقابلوں میں کب کب اور کس کس کے خلاف کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ اگر وہ فیچر صرف اور صرف جہانگیر خان کے بارے میں ہے پھر تو آپ ان کی زندگی کے تمام یادگار لمحوں کا تذکرہ کریں گے، لیکن بالفرض فیچر کا موضوع اگر یہ ہو کہ'' آپ اپنی زندگی میں شہرت اور دولت کے درمیان کسے زیادہ اہم سمجھتے ہیں؟ ''اور یہ سوال عالمی شہرت یافتہ لوگوں سے پوچھا جائے اور انہی مشہور عالمی لوگوں میں جہانگیر خاں بھی شامل ہو تو جہانگیر خاں کا تعارف ایک دو فقروں میں کرنے کے بعد آپ اپنے موضوع کی طرف آ سکتے ہیں، اس وقت جہانگیر خاں کے پورے کیریئر کا تذکرہ اور ان کی فتوحات کی تفصیل بیان کرنا غیر ضروری ہوگا بلکہ اس سے فیچر کا مجموعی تاثر مجروح ہوگا۔

رنگ آمیزی

رنگ آمیزی سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنے فیچر میں فطری انداز سے رنگ پیدا

کریں۔ بجائے اس کے کہ آپ ہر بات خود کہیں، بہتر یہ ہوگا کہ منظر اور کردار خود بولیں۔ مثلاً یہ لکھنا کہ وہ ایک دولت مند آدمی ہے، کوئی اچھی بات نہیں۔ البتہ جب اس طرح کی عبارت آئے کہ اس کی دو میں سے ایک مرسڈیز گاڑی دوستوں کے لیے وقف ہو چکی ہے تو اس فقرے سے ہی اس کے دولت مند ہونے کا پتہ چل جاتا ہے۔ آپ نے اپنی بات بالواسطہ طور پر کہہ دی اور مناسب طریقہ بھی یہی ہے۔ فیچر نگار کو ریڈیو یا ٹی وی کے مبصر کا کردار ادا نہیں کرنا چاہیے، یعنی کچھ اس طرح کا کردار کہ سامعین اور حاضرین خاموشی سے متوجہ ہوں اور فیچر نگار ہر کردار کا تعارف اور ہر منظر کی کیفیت اپنی زبان سے ادا کرتا چلا جائے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اپنے فیچر میں رنگ اور کشش پیدا نہ کر سکیں گے۔ بہتر یہی ہوگا کہ آپ اپنی زبان بند رکھیں اور کرداروں کو بولنے دیں، حالات و واقعات کو صورت کشی کرنے دیں۔

حوالے کی عبارت اور مکالمے:

حوالے کی گفتگو جیسے واوین کے درمیان سند کے طور پر پیش کیا جا سکے یا کوئی مکالمہ، فیچر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، انہیں فیچر کے آغاز میں ہی نہیں، متن میں بھی مناسب انداز سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک تحریر اگر ناخواندگی کے بارے میں ہے تو اس میں سرکاری حکام، بین الاقوامی ماہرین، غیر سرکاری تنظیموں کی آرا کے حوالے اور خود ناخواندہ افراد کے بیانات آ سکتے ہیں۔ کسی عبارت میں اگر مناسب مواقع پر حوالے آئیں تو پس منظر کا بیان زیادہ وقیع اور موثر بن جاتا ہے۔ واوین کی عبارت سے پتہ چل جاتا ہے کہ کہنے والا شخص کس طرح سوچتا اور کس طرح بولتا ہے، مثلاً یہ فقرہ: ''اسمبلی کے دیگر ارکان کے رویے سے میں بیچارہ تو سخت عاجز آ چکا ہوں۔'' حوالے کی ایک عبارت سے کسی خیال کی بخوبی صراحت ہو جاتی ہے۔ مثلاً ''میں نے جو پروگرام وضع کیا ہے، اس سے ایک مضبوط مالیاتی تنظیم کی بدولت قومی قرضہ چار سال کے اندر گھٹ جائے گا۔'' وزیر خزانہ کے اس فقرے سے ان کے آئندہ عزائم کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ایک اور فقرہ۔ ''تین سال کی عمر میں جب میں نے پہلی بار ساز کی آواز سنی تو اسی لمحے طے کر لیا کہ میں بڑا ہو کر وائلن بجاؤں گا۔'' اس فقرے سے ایک شخص کے ماضی یعنی طفولیت کے اس تجربے کا علم ہو جاتا ہے جس نے اس کے مستقبل کی تشکیل کی۔

مکالمے میں وہ سچائی ہوتی ہے جو فیچر نگار اپنے بیان سے پیدا نہیں کرسکتا، مندرجہ بالا فقرے جو ایک رکن اسمبلی، ایک وزیرخزانہ اور ایک موسیقار نے اپنی اپنی زبان سے ادا کئے، اگر تحریر میں فیچر نگار کی طرف سے آتے تو وہ بات پیدا نہ ہوتی البتہ مکالمے کو ضبط تحریر میں لانا عموماً مشکل ہوتا ہے۔فیچر میں مکالموں کو شامل کرنے کا کوئی مقصد ہونا چاہیے، مثلاً مکالمے سے یہ صراحت ہو رہی ہو کہ کوئی شخص کس لہجے میں بات چیت کرتا ہے اور دوسروں کے جواب میں اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بیان موسم کے بارے میں ہو تو اس سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، البتہ جب کرکٹ کا کھلاڑی آسمان کا رنگ دیکھ کر کہے کہ ''رات اگر ہلکی بوندا باندی ہوگئی تو کل صبح وکٹ نم ہوگی اور اس صورت میں شاید کھیل دیر سے شروع ہو'' تو موسم پر یہ تبصرہ کھلاڑی کی اپنی زبانی نہایت اہم ہوسکتا ہے۔

لیلیٰ زبیری پاکستان ٹیلی ویژن کی ایک مقبول ڈرامہ آرٹسٹ ہیں۔ ان کے بارے میں ایک فیچر نظر سے گزرا۔فیچر نگار فاروق اقدس نے لیلیٰ زبیری کا مختصر تعارف لکھا ہے، ایک حوالہ ان کے شوہر کرنل طارق کا بھی آتا ہے۔ پھر ان دونوں سے کچھ باتیں کی ہیں بیشتر باتیں فیچر نگار نے اپنی معلومات کی بنا پر لکھی ہیں، البتہ جس مقام پر یہ محسوس ہوا کہ قارئین مزید کچھ باتیں خود لیلیٰ زبیری اور ان کے شوہر کی زبانی سننا پسند کریں گے، اس وقت فیچر نگار نے وہ باتیں اپنی جانب سے نہیں بلکہ مذکورہ دونوں کرداروں کی زبان سے ادا کی ہیں۔ مثلاً اس سوال کے جواب میں کہ اب تو آپ نے آرمی کو خیرباد کہہ دیا ہے، اس لیے اب آپ کی بیگم تو کیا، آپ بھی ٹی وی پر ایکٹنگ کرسکتے ہیں۔ تو کیا خیال ہے؟

''جی ہاں' میں بالکل تیار ہوں' لیکن ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ میرے مقابل ہیروئن لیلیٰ نہ ہوں، تاکہ میں اپنے جذبات کا صحیح طور پر اظہار کرسکوں' ---کرنل طارق نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

اسی فیچر میں آگے چل کر یہ عبارت آتی ہے:

''اس سوال کا جواب کہ ٹی وی پروڈیوسرز آپ کو محض آپ کی غیر معمولی خوبصورتی کی وجہ سے ڈراموں میں کاسٹ کرتے ہیں یا پرفارمنس کی وجہ سے؟

لیلیٰ زبیری نے قدرے برا مانتے ہوئے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا میں نے یہ بات پہلے بھی کہی ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ ٹی وی کے ناظرین میری تعریف نہ کریں بلکہ

میری اداکاری کے بارے میں بات کریں۔ میری یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ ٹی وی ڈرامے میں اپنی اصل شکل اور حقیقی رنگ روپ میں نہ آؤں۔ کوئٹہ سنٹر سے پیش کیا جانے والا ڈرامہ خاک جاہ (کوڑے کی جگہ) میری زندگی کا بہترین ڈرامہ ہے، جس میں میں نے ایک کوڑا چننے والی خانہ بدوش لڑکی کا کردار ادا کیا تھا''

(اخبار جہاں، 7 تا 13 جنوری 1991ء)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ جو الفاظ مذکورہ دونوں کرداروں کی زبانوں سے ادا کئے گئے ہیں، وہ کتنے اہم ہیں اور اگر وہی باتیں بالواسطہ طور پر لکھی جاتیں اور فیچر نگار وہی کچھ اپنے طور پر بیان کرتا تو فیچر میں مطلوبہ تاثر پیدا نہ ہوتا۔

اہم شخصیات کے بارے میں جاننے کی خواہش قاری کے دل میں فطری طور پر موجود ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فیچر نگار شخصیات کے بارے میں فیچر لکھتے ہوئے ان سے اس طرح کے سوال ضرور کرتا ہے: ''بچپن کا کوئی واقعہ جس نے آپ کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا؟'' آپ کی زندگی کا کوئی یادگار واقعہ؟'' اور اس کے جواب میں متعلقہ شخص جو کچھ بتاتا ہے اسے بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ بعض اوقات اس طرح کی معلومات دوسرے افراد فراہم کرتے ہیں، لیکن ان میں بھی دلچسپی کا عنصر کم نہیں ہوتا۔ سرسید احمد خاں، ڈاکٹر محمد اقبال، محمد علی جناح، مولانا محمد علی جوہر اور لاتعداد ملی شخصیات کے بارے میں جب ہم مضامین پڑھتے ہیں، جنہیں اخبار کے قاری کے مذاق کے پیش نظر فیچر کا رنگ دیا جاتا ہے تو ان مضامین میں مذکورہ شخصیات کی زندگیوں کے ایسے واقعات بھی درج کئے جاتے ہیں، جن کا تعلق ان کے زمانہ طفولیت یا طالب علمی سے ہوتا ہے۔ مثلاً سرسید کی زندگی کا وہ واقعہ جب ایک معمر ملازمہ سے گستاخی کرنے پر والدہ نے ننھے سید کو گھر سے نکال دیا اور اس وقت تک واپس آنے نہیں دیا، جب تک انہوں نے ملازم سے اپنے رویے کی معافی نہیں مانگ لی۔ اس طرح علامہ اقبال کی شوخی، محمد علی جناح کی متانت اور رکھ رکھاؤ اور محمد علی جوہر کی زندہ دلی کے واقعات بھی ان کے بارے میں فیچر لکھتے وقت، مطالعہ کی چاشنی کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جس شخص کے بارے میں فیچر لکھا جا رہا ہو، اس کے حوالے سے اگر دلچسپ واقعات کا بیان آ جائے تو فیچر میں گہرائی اور رنگینی آ جاتی ہے۔ فیچر نگار اگر کسی کا تعارف لکھ رہا ہو تو بہت سے لوگوں سے مل کر

متعلقہ شخصیت کے بارے میں بہت کچھ پوچھ سکتا ہے۔ پاکستان کے وزیراعظم مسٹر نواز شریف نے جب اپنے عہدے کا چارج لیا تو رپورٹروں کو ان کی زندگی کے ایسے واقعات کی نقاب کشائی کا خیال آیا جو قارئین کے لئے نئے اور ان کی ضیافت طبع کا ذریعہ ہوں، ان کے خاندانی حالات، مذہبی رسوم اور روایات کا احترام جو انہیں والدین سے ملا اس کا تذکرہ، ان کی جفاکشی اور کاروباری ذہانت، ان سب کی تفصیل اخباروں میں شائع ہوئی اور یہ باتیں کچھ بیگم نواز شریف کی زبانی اور کچھ خاندانی حوالوں سے سامنے آئیں۔ کچھ باتوں کا علم رپوٹروں کو پہلے سے تھا، اس وقت سے جب وہ پنجاب کے وزیراعظم مقرر ہوئے تھے۔

فیچر کا اختتامیہ

اخبار میں شائع ہونے والی خبر اپنے فطری انجام کو پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ فیچر کو اس کے برعکس مناسب انداز سے تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ کوئی مناسب سا فقرہ یا محاورہ جو کسی کی زبان سے ادا ہو کر اہمیت اختیار کر چکا ہو، فیچر کے آخر میں اس طرح آئے کہ اس کا بھرپور تاثر پیدا ہو، یہ ہے اس کا اختتامیہ۔ پوری عبارت کا نفس مضمون یا اگر وہ فیچر کسی فرد کے بارے میں ہے تو اس کی زندگی کا نچوڑ، آخری سطر میں سمٹ آئے، یہ ہے ایک کامیاب اختتامیہ۔ یہ فقرے اتنا سادہ اور سپاٹ نہ ہوں کہ بے اثر محسوس ہوں اور نہ اتنے الجھے ہوئے کہ قاری ان کا مفہوم تلاش کرتا ہی رہ جائے۔ بہرحال ان کا پر اثر ہونا ضروری ہے جیسے طبل پر آخری ضرب، جس کی گونج تھرتھراہٹ بن کر فضا میں دیر تک محسوس ہو۔ مثلاً ایک مصنف کے بارے میں فیچر اس عبارت پر ختم ہوتا ہے:

> ''رخصت ہوتے ہوئے میں نے کہا، آپ کو زمانے کی ناقدری سے شکایت ہے، کتب فروشوں سے بھی گلہ ہے کہ وہ کتابوں کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم آپ کو بروقت ادا نہیں کرتے، کیا آپ کسی فرد کے حسن سلوک سے مطمئن بھی ہیں؟ جی ہاں، انہوں نے جواب دیا، ردی فروش کے حسن سلوک سے۔ میرے سب سے اچھے گاہک وہی ہیں۔ وہ میری رقم نہیں دباتے۔''

فیچر کا اختتامیہ مصنوعی نہیں ہونا چاہئے۔ خواہ مخواہ بات بنانے سے عبارت طویل

ہو جائے گی اور بے لطفی پیدا کرے گی ہاں اگر ضروری ہو تو کسی غیر اہم واقعے کی تفصیل پر بھی فیچر کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک اخبار نے جمیل دہلوی کا انٹرویو شائع کیا۔ یہ ایک پاکستانی فلم ڈائریکٹر ہیں جو بیشتر عرصہ لندن میں گزارتے ہیں۔ فیچر نگار نے ان کا انٹرویو ان الفاظ پر ختم کیا ''مزید فلمیں بنانے کے لئے سرمایہ چاہیئے اور سرمائے کے حصول میں عام طور پر بہت تاخیر ہو جاتی ہے۔ اس طرح ان کے یہاں فلم سازی میں طویل وقفے آجاتے ہیں۔ ایسے میں جمیل دہلوی بیکار بیٹھنے کی بجائے اپنے بچپن کے شوق کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور وہ ہے پینٹنگ۔''

تعارفی خاکہ نگاری

شخصیات کے تعارفی خاکے، انٹرویو اور فیچر دونوں سے مختلف اور اپنی خصوصیات میں ان سے کچھ زائد ہوتے ہیں۔ یہ تعارفی خاکے مفصل اور تجزیاتی ہوتے ہیں۔ ان کے اسلوب کی جداگانہ شان ہوتی ہے اور انہیں مجلوں میں یا اخبار کے مجلّاتی اوراق پر یا بسا اوقات اخبارات کے ان صفحات پر جو فیچر کے لیے مخصوص ہوتے ہیں، شائع کیا جاتا ہے۔ ایسے شخصی خاکے ہمارے یہاں کے اخبارات میں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ البتہ ادبی مجلوں میں ادبی شخصیات کے جو خاکے شائع ہوتے رہے ہیں، ان میں تعارفی خاکہ نگاری کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہ خاکے ویسے تو مشہور معروف شخصیات کے بارے میں لکھے جاتے ہیں، لیکن موضوع کے اعتبار سے اگر نامعلوم یا غیر معروف فرد اخبار یا مجلّے کے لیئے بہت اہم ہو تو اس پر بھی خاکہ لکھا جا سکتا ہے۔

انٹرویو، سوال و جواب پر مبنی اور مختصر ہو سکتا ہے، لیکن کسی شخص کا تعارفی خاکہ، جس میں اس کا انٹرویو بھی آسکتا ہے، طویل اور سیر حاصل ہوگا۔ ایسی تحریر لکھنے کے لیے خاکہ نگار نے متعلقہ شخصیت کے ساتھ کئی گھنٹے، بلکہ ممکن ہے، اس کی رفاقت میں کئی دن گزارے ہوں گے، ان کے ساتھ مانوس رہا ہوگا اور ان کے فرائض کی ادائیگی کے معمولات، روابط اور رہن سہن، بات چیت اور عادات و اطوار کے انداز بہت قریب سے دیکھ چکا ہوگا۔

ایک امریکی صحافی نے کسی موقع پر یہ بتایا کہ جب مجھے کسی بڑے آدمی کا انٹرویو کرنا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ چھ ملاقاتیں کرتا ہوں کیونکہ وہ شخص پہلی تین ملاقاتوں میں تو

وہی کچھ بتائے گا، جو مجھ سے پہلے دوسرے انٹرویو کرنے والوں کو بتا چکا ہوگا، البتہ آخری تین ملاقاتوں میں وہ پوری طرح کھلے گا۔ تعارفی خاکہ جس شخص کے بارے میں لکھا جائے، خاکہ نگار اس کے ساتھ کم ازکم ایک دن گزارنے کی درخواست کرسکتا ہے، اس کے بعد مزید معلومات کے لیے آئندہ ملاقاتوں کی فرمائش کی جاسکتی ہے یہ ملاقاتیں خاص طور پر اس وقت زیادہ مفید ہوں گی جب وہ (مقتدر سیاست دان یا عوامی نمائندہ) کسی جلسے سے مخاطب ہو یا سرعام لوگوں سے ملاقات کررہا ہو۔

اخبار کا رپورٹر تو یہ کرسکتا ہے کہ کسی شخص سے انٹرویو کرنے کے بعد دفتر جائے اور انٹرویو لکھ ڈالے لیکن تعارفی یا شخصی خاکہ لکھنے والے کا کام نسبتاً دشوار اور اس سے کچھ آگے کا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد وہ ان لوگوں سے بھی انٹرویو کرتا ہے جو متعلقہ شخص سے بہت قریب ہوں، یعنی اس کے دوست، خاندان کے افراد، رفقائے کار اور اس کے حریف بھی۔ مثلاً کسی ایکٹر پر طبع آزمائی کرنی ہو تو صحافی اس ڈائریکٹر سے بات کرے گا جس کی فلم میں وہ ایکٹر کام کررہا ہو، پھر ان اداکاروں کے ساتھ گفتگو کرے گا جو فلم میں اس کے ساتھ کام کررہے ہوں، پھر فلم کے ڈسٹری بیوٹر، اس ایکٹر کی بیوی، والدین، دوست احباب، بچے، گھریلو ملازم بلکہ اس کی سابقہ محبوباؤں سے بھی ملاقاتیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کسی سیاست دان پر لکھنا ہو تو وہ اس کی پارٹی کے رہنماؤں سے، نیز مخالف پارٹی کے لیڈروں سے اور اگر وہ سرکاری سطح پر کوئی خدمت انجام دے رہا ہو تو متعلقہ ادارے کے سرکردہ افراد سے، اس کے علاوہ اس کے انتخابی حلقے کے لوگوں سے، پرانے دوستوں سے، دفتری عملے کے ارکان اور اس شخص کے بیوی بچوں سے بھی باتیں کرے گا---

تعارفی خاکہ نگار میں نسبتاً زیادہ تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ایکٹر کا شخصی خاکہ لکھنے کے لیے رپورٹر کو اس کی گزشتہ فلموں پر بھی نظر ڈالنی ہوگی اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ فلمیں عام لوگوں میں کتنی مقبول ہوئیں اور نقادوں نے ان کے بارے میں کیا رائے دی۔ اگر ایکٹر نے کچھ لکھا ہو تو رپورٹر کو اس کی گذشتہ فلموں پر بھی نظر ڈالنی ہوگی اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ فلمیں عام لوگوں میں کتنی مقبول ہوئیں اور نقادوں نے ان کے بارے میں کیا رائے دی۔ اگر ایکٹر نے کچھ لکھا ہو تو رپورٹر اس کی تحریر بھی پڑھے گا اور تحریر کی روشنی میں اس کے مزید خیالات معلوم کرے گا۔ اسی طریقے سے کسی سیاست دان کا تعارفی خاکہ لکھے گا۔

صحافی اس کے انتخابی حلقے سے معلوم کرے گا کہ اسے کب کب کتنے ووٹ ملتے رہے اور پبلک جلسوں میں کب کیا کہا۔حتیٰ کہ اسکول اور کالج میں بھی اس کی کارکردگی کا جائزہ لے گا (کیا وہ طالب علمی کے زمانے میں بھی سرگرم تھا؟)

قدرے چھان بین اور مختلف لوگوں کے ساتھ بات چیت کے ذریعے رپورٹر معلوم کر لیتا ہے کہ متعلقہ شخص کی زندگی میں تبدیلیاں کب اور کن مراحل میں رونما ہوتی رہیں، اور ان تبدیلیوں کے اسباب کیا تھے۔ اس کی سوچ کے محرکات کیا تھے اور اس کے موجودہ خیالات کس طرح ذہن میں مرتب ہوئے۔ اس کی شکستیں اور کامیابیاں اس کی شخصیت کے چھپے ہوئے گوشوں کو بے نقاب کر دیں گی اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ اپنے معاصرین میں اس کی حیثیت کیا ہے۔

چھان بین اور انٹرویو کے بعد لکھنے کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ لکھنا اس طرح کا نہیں جیسے خبر لکھی جاتی ہے۔شخصی خاکہ نگاری میں کسی شخص کے عام طرز عمل، اس کی گذشتہ زندگی، تاریخ، سوانح اور رویوں کا حوال شامل ہوتا ہے، پھر جزیات کا بیان آتا ہے، کچھ اس طرح کہ کیا باتیں کرتے وقت اس کی بھنویں ہمیشہ اوپر کو تنی ہوتی ہیں؟ یہ ہے تو ذرا سی بات، لیکن خاکہ نگار اس کو بھی اپنی تحریر میں شامل کرے گا۔ کیا وہ تمام وقت مضطرب رہتا ہے یا اس کے مزاج میں سکون اور ٹھہراؤ ہے۔شخصی خاکے میں کسی شخص کی زندگی کے سارے نقوش نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔ اس کی بات چیت، مشاہدات اور سوانح، ان سب کو آپس میں پرو کر ایک شخص کی تصویر مرتب کی جاتی ہے، جسے دیکھ کر اور پڑھ کر قارئین کو محسوس ہوتا ہے گویا وہ اس شخص کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

ایک اچھا تعارفی خاکہ بیک وقت ایک اچھا فیچر بھی ہوتا ہے۔ اس کی تنظیم اور ترتیب بھی فیچر ہی کی طرح ہوتی ہے۔ اس میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو ایک فیچر میں ہونا چاہیے، مثلاً مکالمے، حوالے کی بات چیت، بیانیہ، پس منظر کی وضاحت، دوسروں کے خیالات جو اس سے متعلق ہوں اور تبصرے۔

فیچر نگار کے لیے یاد رکھنے کی باتیں:

- کیا میں نے اپنے موضوع کی تلاش کے لیے مختلف ذرائع استعمال کیئے؟

- کیا میں نے اپنے موضوع پر تحقیق کی ہے؟
- کیا ایک موثر ابتدائیے کے لیے ایک پرکشش نکتہ مجھے مل گیا ہے؟
- میں جو کچھ لکھنے جا رہا ہوں، کیا اس کا بیشتر حصہ بیانیہ ہوگا اور اس میں جن لوگوں کے نام آئیں گے، ان کی بات چیت کے حوالے اور پس منظر کے حقائق کیا میرے پاس موجود ہیں؟
- کیا میری عبارت میں ایک اچھے اسلوب کا پتہ چلتا ہے اور اس میں قارئین کے لیے کشش موجود ہے؟
- کیا میری تحریر سے ایک اچھی سٹوری نکلتی ہے اور اس کا اختتامیہ بخوبی ہوا ہے؟

☆☆☆

4

تفتیشی صحافت

تفتیشی صحافت ایک محنت طلب اور بعض اوقات پرخطر ذمہ داری ہوتی ہے۔
اس بارے میں رپورٹر کا کام یہ ہے کہ جب اسے یہ شبہ ہو کہ کسی واقعے کی پردہ پوشی کی جارہی ہے یا بظاہر وہ خبر جو عام طور پر مشہور ہے اور لوگوں کے علم میں ہے، وہ درست نہیں بلکہ پس پردہ اصل خبر کچھ اور ہے تو وہ اہل خبر اور پس پردہ محرکات کا سراغ لگانے پر کمر بستہ ہو جائے۔ لیکن اس فریضے کی انجام دہی میں رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔ اگر اس معاملے میں حکومت ملوث ہے تو ممکن ہے کہ طرح طرح کی تاویلیں پیش کرے اور رپورٹر کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔ برسراقتدار سیاسی گروہ اس سے انتقام لینے کے درپے ہوسکتا ہے۔ پولیس قانونی دفعات کا سہارا لے اسے گرفتار کرسکتی ہے ''سرکاری راز'' کے انکشاف پر اسے سزا دی جاسکتی ہے، ممکن ہے، اس خبر کا تعلق منشیات فروشوں اور دہشت گردوں کے گروہ سے ہو اور وہ اسے ہلاک کرنے کے درپے ہو جائیں، غرضیکہ دنیا میں تقریباً ہر جگہ تفتیشی صحافت کی راہ میں دشواریاں موجود ہیں، البتہ جن ملکوں میں صحافت کی آزادی موجود ہے، شہریوں کو آئینی طور پر تمام بنیادی حقوق حاصل ہیں اور جمہوری ادارے شہری حقوق کا تحفظ موثر انداز میں کررہے ہوں، جہاں تعلیم عام ہو اور عدالتیں آزادی سے کام کررہی ہوں، وہاں تفتیشی صحافت میں کامیابی یقینی ہے اور یہ کام زیادہ پرخطر بھی نہیں، البتہ جن ملکوں میں صورت حالات اس کے برعکس ہو، یعنی خواندگی کی سطح افسوس ناک حد تک پست ہو، ملک میں جمہوریت سے زیادہ شخصی یا آمرانہ حکومتوں کا دور دورہ ہو، سیاسی آزادیاں مفقود، جمہوری ادارے کمزور اور عدالتیں مصلحت کوش ہوں، وہاں تفتیشی صحافت کے فروغ کے امکانات بہت کم اور رپورٹر کے لیے خطرات زیادہ ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے ملکوں میں اکثر اس طرح کی خبریں سننے میں آتی ہیں کہ فلاں ملک

میں پورے سال کے دوران اتنی تعداد میں صحافی قاتلانہ حملوں میں جاں بحق ہو گئے ۔ یہ صحافی ، دہشت گردوں ، منشیات فروشوں ، اسلحہ کے اسمگلروں اور بعض اوقات خود پولیس کے ہاتھوں جان سے ہاتھ دھوتے ہیں ۔

کہا جاتا ہے کہ تفتیشی صحافت پاکستان اور دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں ایک مفروضے کا درجہ رکھتی ہے ۔ ان ملکوں میں اخبارات اتنے آزاد یقیناً نہیں ہیں کہ ریاستی اور مالی امور کے سلسلے میں چھان بین کر سکیں ، البتہ جب سے جمہوریت بحال ہوئی ہے اور 1988ء کے بعد 1990ء میں دوسری بار عام انتخابات ہوئے ہیں ، صورت حال بہت حد تک تبدیل ہوگئی ہے ۔ اب اخبارات ، غیر ملکی تجارتی سودوں کے بارے میں اعلیٰ حکام کی بے ضابطگی ، سرکاری انتظامیہ کے تساہل ، منشیات فروشوں کے ساتھ قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں اور افسروں کی ملی بھگت اور اسی نوع کی خبریں آزادی سے شائع کر رہے ہیں ، اس طرح مفاد عامہ کے پیش نظر ایسی خبروں کی چھان بین میں بھی لگے رہتے ہیں جن کا تعلق اعلیٰ ترین انتظامی اداروں سے ہے ۔ اس کے باوجود جب تک جمہوری ادارے مضبوط نہیں ہوں گے اور عام لوگوں کی شرح خواندگی میں اضافے کے علاوہ ان کے سیاسی شعور کی سطح بلند نہیں ہوگی ، اس وقت تک آزاد صحافت معرض خطرے میں رہے گی ۔

کسی قوم کی سماجی اور تہذیبی ترقی اور مالی استحکام میں اخباروں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے ۔ اخبارات عام لوگوں کو ہر طرح کی خبریں فراہم کرتے ہیں ، انہیں ترقی کی راہیں سمجھاتے ہیں اور انہیں ان خطرات سے باخبر رکھتے ہیں جو ان کی خوشحالی ، آزادی اور ترقی کی راہ میں مزاحم ہو سکتے ہیں ۔ اگر اخبارات آزاد نہ ہوں اور وہ قومی زندگی میں خرابیوں کی نشاندہی نہ کر سکیں ، اگر وہ غبن ، رشوت ، بدنظمی اور سماج دشمنی کے عوامل کا پردہ چاک کرنے کی بجائے ، ان کی پردہ پوشی کرتے رہیں تو قوم کی تباہی یقینی ہوگی ۔

ویسے تو ہر رپورٹنگ اپنی اصل میں تفتیشی رپورٹنگ کے منصوبے کو بروئے کار لانے میں کئی ہفتے ، مہینے بلکہ ایک سال بھی لگ سکتا ہے ۔ دراصل اس کا تعلق کسی زیر تفتیش معاملے کی نوعیت اور اس کی سنگینی پر ہے ۔ تفتیش پر آمادہ رپورٹر کسی مسئلہ کی چھان بین یا کسی فرد کے کوائف معلوم کرنے میں دیدہ ریزی سے کام لیتے ہیں اور اکثر اس کاوش کے نتیجے میں بدیانتی ، رشوت اور سرکاری انتظامیہ کی نااہلی یا فریب کاری کا پردہ چاک کرتے ہیں ۔

فوجی ساز وسامان کی خریداری کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کمیشن کی رقم اور ہیروئن کی سمگلنگ کے موضوعات، رپورٹروں کی تفتیش کا پسندیدہ موضوع رہ چکے ہیں۔

مغرب میں تفتیشی رپورٹروں کی خبروں نے ان کے معاشروں کو زبردست تبدیلیوں سے ہمکنار کیا ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ کے واٹرگیٹ اسکینڈل نے دنیا بھر میں شہرت حاصل کی اور اسے تفتیشی رپورٹنگ کی نمایاں مثال بنا کر پیش کیا گیا۔ بوب وڈورڈ اور کارل برنسٹائن وہ صحافی تھے، جنہوں نے صدر نکسن کو امریکی ایوان صدارت سے باہر نکلوا دیا، لیکن ان کی تفتیشی رپورٹنگ کے نتیجے میں محض اتنا ہی نہیں ہوا' بلکہ امریکی کانگریس نے اس کے بعد ہی متعدد اصلاحات کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ آئین کے تحت امریکی صدر کو اپنے اختیارات کے لیے اور خود کانگرس کو بھی جواب دہی کا پابند کیا گیا۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ آزاد ملکوں میں اخبارات نے کس طرح اہم مسائل پر روشنی ڈالی، چھپے ہوئے گوشے بے نقاب کیئے اور سماج میں تبدیلیوں کے رواج دیا۔

تفتیشی رپورٹنگ سے قدرے مختلف In-depth Reporting ہے، یعنی گہرائی میں اتر کر حقائق معلوم کرنا۔ یہ رپورٹنگ اور اصل خبر اور فیچر کو جوڑنے سے بنتی ہے۔ یعنی کسی اہم مسئلہ کا شرح وبسط سے مطالعہ پیش کرتے ہیں اور اس میں خبر کے عنصر کو نمایاں جگہ دیتے ہیں اس کی ایک مثال کچھ یوں ہے کہ ہر سال رمضان المبارک کی آمد پر گداگروں کی ٹولیاں شہر کے گلی کوچوں اور سڑکوں پر اچانک نمودار ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے، یعنی گدگروں کا پورا کبنہ ہوتا ہے یہ لوگ عید کے چند روز بعد تک نظر آتے ہیں، پھر مقامی گداگروں کے سوا باہر سے آئے ہوئے گداگر اپنے ٹھکانوں کو واپس چلاے جاتے ہیں۔ ایک رپورٹر نے ان کی In-depth Reporting یعنی مفصل اور سیر حاصل خبر بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے شہر کے چند گنجان آباد محلوں اور مصروف مارکیٹوں میں اور بڑی بڑی مساجد کے سامنے بیٹھے ہوئے گداگروں کی تعداد کا تخمینہ لگایا۔ سماجی کارکنوں کا مدد سے یہ اندازہ لگایا کہ کتنے گداگر آئے اور کہاں سے آئے۔ ان کی آبائی بستی کون سی ہے۔ ان کی یومیہ اوسط آمدنی کیا ہے۔ یہ لوگ خاص اسی شہر میں کیوں آتے ہیں۔ یقیناً اس لیے کہ یہاں کی آبادی متمول ہے، رمضان میں زکوۃ اور خیرات کی رقم ''محتاجوں'' میں تقسیم کر کے ان کی روح کو تسکین ملتی ہے۔ پھر شہر میں مختصر اقامت اختیار

کرنے والوں کے دیگر معمولات اور رہن سہن کے انداز کیا ہیں۔ کیا یہ لوگ واقعی پیشہ ور گداگر ہیں یا محض رمضان میں اضافی آمدنی کے لیے یہ پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اور لوگوں کے جذبہ خیر سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ رپورٹر نے اندازہ لگایا کہ رمضان المبارک میں اگر خیرات کی اضافی رقم جمع کرنے کا کوئی مناسب بندوبست ہو تو یہ زرکثیر یتیموں اور محتاجوں کے اداروں کی امداد میں کام آسکتا ہے اور غیر مستحق افراد کی لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ بھی ہوسکتا ہے۔

Indepth Reporting یا مفصل مشاہداتی رپورٹنگ، تفتیشی رپورٹنگ سے ان معنوں میں بھی مختلف ہوتی ہے کہ اول الذکر میں کوئی بات نئی اور چونکا دینے والی نہیں ہوتی، جب کہ آخرالذکر میں حیرت کا عنصر بہرطور موجود ہوتا ہے۔ مثلاً واٹرگیٹ کے واقعہ کا اندازہ بھلا کسے تھا؟ چنانچہ جب اس کا انکشاف ہوا تو ایک دنیا محو حیرت ہوگئی۔ لیکن مفصل مشاہداتی رپورٹنگ میں بالعموم ایسے مسائل تجزیاتی اندازے پیش سے کئے جاتے ہیں، جن سے بیشتر قارئین واقف ہوتے ہیں، مثلاً جرائم، نشہ خوری، بیگار اور بچوں سے مشقت لینا۔

ایک تفتیشی رپورٹر کا طریق کار

ایک تفتیشی رپورٹر ان حقائق پر برابر کان لگائے رکھتا ہے کہ کون سے واقعات معاشرے میں اس کے گردوپیش رونما ہوتے ہیں، چنانچہ سرکاری انتظامیہ صنعت وتجارت کے شعبے اور پولیس کے محکمے میں روابط رکھنے سے بعض اوقات بڑی بڑی خبریں مل جاتی ہیں یا چند ایسی باتوں کا سراغ ملتا ہے جن سے تفتیش کی راہیں نکلتی ہیں۔ ان راہوں میں آگے بڑھنے سے کوئی بڑی چیز مل سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ناکامی ہو اور رپورٹر کی تگ ودو رائیگاں جائے۔

پاکستان میں لاتعداد ایسے مسائل ہیں، جن پر محنت کرنے سے کوئی تفتیشی خبر مل سکتی ہے۔ مثلاً ہیروئن کی تیاری کے بعد ''علاقہ غیر'' سے پاکستان میں اس کی درآمد اور تقسیم پھر بیرون ملک اس کی اسمگلنگ کے نت نئے طریقے، پولیس اور کسٹم کے بددیانت ملازموں کا کردار، بعض بڑے لوگوں کی سرپرستی اور معاونت وغیرہ۔ بلوچستان میں ہیروئن کا ایک بڑا ذخیرہ پکڑا گیا، لیکن سنا گیا کہ اسمگلر اتنے طاقت ور تھے کہ متعلقہ اہلکار ایک عرصے تک ان کے خلاف مقدمہ بنانے میں پس وپیش کرتے رہے، پھر کسی اخبار نے

خبر دی کہ اسمگلروں نے جو راکٹ لانچر اور بھاری ہتھیاروں سے مسلح تھے، کسٹم اور پولیس کے دستوں کا نہ صرف مقابلہ کیا، بلکہ سرکاری آدمیوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ رپورٹر نے مزید بتایا کہ منشیات کے اسمگلروں نے ایران اور پاکستان کے بارڈ کے قریب ایک طرح کی ''متوازی حکومت'' بنا رکھی ہے اور نہایت دیدہ دلیری سے اپنی مذموم سرگرمیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر ان کا موثر طور پر قلع قمع نہ کیا گیا تو آئندہ ان کا مقابلہ کرنا دشوار ہو جائے گا۔ رپورٹر نے اپنی تفتیش کے نتیجے میں بعض ایسی باتیں بتائیں جو عام قارئین کے لیئے انکشاف کا درجہ رکھتی تھیں۔

اسی طرح کی تفتیشی رپورٹنگ کئی سرکاری شعبوں کے سلسلے میں ہو چکی ہے، مثلاً ٹیلیفون کے کنکشن کے اجراء کے سلسلے میں بے ضابطگیاں۔ ایک درخواست دہندہ کو 20 سال بعد کنکشن ملا۔ پانی کی فراہمی اور بجلی کی ترسیل کے شعبوں میں بدعنوانیاں۔ دونوں محکموں کے ایک دوسرے پر لاکھوں روپے واجب الادا ہیں۔ سرکاری اراضی اور شہری آبادی کے پلاٹوں کی الاٹمنٹ میں بااختیار عہدیداروں اور سیاست دانوں کی دھاندلی۔ بینکوں سے قرضوں کا اجراء، کس نے کتنی رقم حاصل کی اور قرضہ معاف کروالیا۔ یہ اور ایسی بہت سی بدعنوانیاں تفتیشی رپورٹنگ کا موضوع بن چکی ہیں اور جب تک معاشرے میں قانون اور ضابطے سے انحراف کا رویہ موجود ہے، ایسی خبریں بنتی رہیں گی۔ سرکاری انتظامیہ سے رابطہ رکھنے میں رپورٹر کو ایسی خبروں کے اشارے مل جاتے ہیں، مثال کے طور پر سرکاری ٹینڈر کے اجراء میں رشوت کا عنصر سرکاری سامان کی خریداری میں کمیشن کی وصولی، ووٹوں کی خرید وفروخت، سرکاری رقوم کا ناجائز استعمال وغیرہ۔ ایک ہوشیار رپورٹر ایسی خبروں کے پیچھے لگا رہے گا، لیکن اپنے رپورٹر کو ان کی اشاعت کے خطرے میں مبتلا کرنے سے پہلے مطلوبہ شواہد اکٹھا کر لے گا، ظاہر ہے کہ الزام کی نوعیت جتنی شدید ہوگی، شواہد بھی اتنے ہی یقینی ہونے چاہئیں۔

رپورٹر جب کسی حکومتی ادارے کے بارے میں چھان بین کر رہا ہو تو اس وقت یہ جاننا بہت ضروری ہو جاتا ہے کہ اس ادارے کا نظام کار کیا ہے۔ یہاں معمول کی کاروائی کس طرح ہوتی ہے، نظام کس ڈھب پر چلایا جا رہا ہے اور اصولاً اسے ہونا کیا چاہئے۔ یہ جاننے کے بعد ہی وہ اصول اور ضابطے سے انحراف کی شکایت کرسکتا ہے۔

سرکاری دستاویزات کے مطالعے سے خبر نکالنا، کاغذی سراغ رسانی کہلاتا ہے،
دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی سرخ فیتے کی لعنت موجود ہے، یہاں
جب کسی کام کو ٹالنا ہو تو لکھا پڑھی کا کبھی نہ ختم ہونے والا چکر چلا دیا جاتا ہے، یہاں
کاغذات کے مطالعے سے خبر نکالنا یوں بھی مشکل ہوتا ہے کہ انتظامیہ ایسے معاملوں میں
رپورٹر کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی اور سرکاری افسر اپنے وسیع اختیارات استعمال کر کے
متعلقہ دستاویزات کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتا۔ چنانچہ کاغذی سراغ رسانی پر آمادہ رپورٹر کو
اپنے کام کے آغاز ہی میں سرکاری اداروں کے بجٹ زیر تفتیش محکمے کے انتظامی خاکے کی
نقل اور دوسرا تحریری مواد جس حد تک دستیاب ہو، حاصل کر لینا چاہئے، دوسرے مرحلے
میں اسے متعلقہ قوانین اور ضوابط کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، اس کے ساتھ ہی اگر اس سلسلے
کی کچھ خبریں پہلے آ چکی ہیں تو انہیں بھی پڑھ لینا چاہئے۔ اس کے علاوہ متعلقہ شعبے کے
ماہرین سے سوالات پوچھ کر زیر تفتیش نظام کار کی اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہوگا۔

ماہروں سے سوال پوچھتے وقت رپورٹر کو یہ معلوم کرتے رہنا چاہیے کہ فلاں بات
سے کیا مفہوم نکلتا ہے اور فلاں اصطلاح کے کیا معنی ہیں، اسے بہر طور پر علم ہونا چاہیے کہ اسے
کس قدر معلومات حاصل ہو چکی ہیں اور کون سی باتیں معلوم کرنی باقی ہیں۔ بہت سے ممالک
کا دستور ہے کہ وہاں عام لوگ جب چاہیں قانونی دستاویزات، منصوبہ بندی اور علاقائی
نوعیت کے معاہدوں کا اور کاروباری لائسنس اور ٹھیکے داری سے متعلق دستاویزات کا مطالعہ کر
سکتے ہیں، لیکن جن ملکوں میں یہ سہولت میسر نہیں وہاں رپورٹر کو معلوم حقائق کی مدد سے اپنے
نتائج مرتب کرنے ہوتے ہیں، یہ بھی ایک طرح کی سراغ رسانی ہوتی ہے۔

ترقی پذیر ملکوں میں ارباب اقتدار کے حسب نسب اور خاندانی روابط سے
واقفیت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں اقربا پروری کی شکایت عام سنی جاتی ہے۔ سرکاری
ٹھیکے عام طور پر قرابت داروں اور قریبی دوستوں کو ملتے ہیں۔ کسی شخص کو ٹھیکہ کہاں اور
کیوں ملا اور کن خاندانی روابط کے طفیل ملا، یہ بات معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوتا۔
یہیں سے تفتیشی رپورٹنگ کی راہ کھل جاتی ہے۔ سرکاری ایجنسیوں کو فنڈ کن ذرائع سے ملتا
ہے، انہیں سمجھنا بھی تفتیشی رپورٹنگ کے لیے کلید کامیابی ہے۔ ان معاملوں میں حکومت بھی
دخیل ہوتی ہے۔ سرکاری حکام اور غیر ملکی امدادی اداروں کے سرکردہ افراد سے باتیں

کرتے وقت رپورٹر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سارے عمل کی نوعیت کیا ہے اور کون سا کام کس طرح آگے بڑھتا ہے۔ تفتیشی رپورٹنگ کرتے وقت صحافیوں کے لیے لازم ہے کہ جو معلومات انہیں حاصل ہیں، ان کی مدد سے سوالات مرتب کریں اور انہیں لکھ ڈالیں۔ ان سوالات کے جواب انہیں پہلے سے معلوم ہونے چاہئیں، پھر باخبر ذرائع جو اعداد وشمار فراہم کریں اور جو باتیں کہیں، ان کے ساتھ اپنے جوابات ملانے چاہئیں اور آخر میں یہ دیکھنا چاہیے کہ متعلقہ حکام کیا ان الزامات کی صحت سے انکار کرتے ہیں، جن کی تصدیق ان کی اپنی سرکاری رپورٹوں سے ہوتی ہے۔

ابتدائی معلومات کی حیثیت کنجی کی ہے۔ ایک رپورٹر کے پاس جتنی زیادہ معلومات ہوں گی، وہ ایک تفتیشی رپورٹ کے لیے اسی قدر تیار ہوگا۔ کاغذی سراغ رسانی کس طرح بروئے کار آتی ہے، اسے چند مثالوں سے سمجھنا چاہیے۔ ایک بار ''اکونومسٹ'' نامی مجلّے نے لکھا کہ پاکستان میں کرپشن کی سطح نائیجیریا کے برابر جا پہنچی ہے۔ اب ذرا قیاس کیجیے کہ وہ مہم جو رپورٹر آپ ہی ہیں جو کرپشن کی مختلف صورتوں کے بے نقاب کرنا چاہتے ہیں، مثلاً یہی بات کہ غیر ملکی امدادی رقوم کس بے دردی سے ضائع کی جارہی ہیں۔ آپ اس پر سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

آپ امریکی امدادی ادارے اور اس کی مختلف فاؤنڈیشن سے ان منصوبوں کی فہرست حاصل کیجیے، جن کے لیے امدادی رقوم آرہی ہیں۔ پھر حکام سے ان منصوبوں کے بارے میں، جواب ''مردہ'' ہو چکے ہیں'' آف دی ریکارڈ'' معلوم کیجیے۔ ان سے کہیے کہ گذشتہ پانچ سال کے دوران میں جن منصوبوں پر کام مکمل ہو چکا یا جو زیر تکمیل ہیں، ان کی ایک فہرست دکھائیں۔ اس کے بعد اپنے طور پر اس امر کی تصدیق کیجیے کہ کتنے منصوبوں پر واقعی کام مکمل ہوا ہے۔ کسی سرکاری افسر کی رہنمائی کی بدولت، جو یقیناً اپنا نام پوشیدہ رکھنا چاہے گا، رپورٹر کو معلوم ہو جائے گا کہ امدادی رقوم کس طرح ان منصوبوں کے لیے جاری کی گئیں۔ جن پر سرے سے کام شروع ہی نہیں ہوا۔ اب رپورٹر ان منصوبوں کے مالی مصارف اور ان پر ضائع ہونے والی رقوم کی تفصیل اپنے قارئین کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔ وہ ان سرکاری عہدیداروں کے ناموں کا بھی انکشاف کرے گا، جنہوں نے ان منصوبوں کی سربراہی کی اور ان سے سوال کرے گا کہ وہ رقوم کہاں گئیں؟ اس کے

ساتھ ہی متعلقہ عہدیداروں کو صورت احوال کی وضاحت کا موقع ملنا چاہیے۔ وہ افراد جو زیر بحث منصوبے میں شامل تھے، ممکن ہے وہ اور وہ لوگ بھی کچھ کہنا چاہیں، جنہیں اس منصوبے کی تکمیل سے فائدہ پہنچ سکتا تھا، مثلاً نہر یا سڑک کی تعمیر کا منصوبہ ہو تو گاؤں کے باشندے، کسان اور دستکار اپنی مشکلات بیان کریں گے۔ شاید مختلف امدادی ذرائع بھی کرپشن کے بارے میں آف دی ریکارڈ گفتگو کرنا چاہیں۔

انٹرویو کرنا

تفتیشی رپورٹنگ اور تحقیقی نوعیت کے فیچر لکھنے کے لیے ایک یا دو انٹرویوز سے کام نہیں چلے گا اگر طویل مضمون ہو تو 30,20 یا شاید اس سے بھی زائد انٹرویوز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ رپورٹر ہو اس شخص سے بات کرے گا، جو اپنی بات کرنا چاہیے گا۔ تفتیشی رپورٹر کے کام کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنی خبر کے حق میں شواہد اکٹھا کرنے کے لیے وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے انٹرویو کرے۔

تفتیشی رپورٹروں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دائرے میں باہر سے اندر کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں۔ اسے یوں سمجھئے کہ جس طرح کسی پھل کی بہت سی پرتیں ہوتی ہیں، اوپر کی پرتیں سخت کڑوی اور کسیلی، لیکن سب سے میٹھا حصہ یعنی پھل کا گودا آخر میں آتا ہے۔ اسی طرح تفتیشی رپورٹر کا کام ابتدا میں سخت اور تکلیف دہ، لیکن اس کی کاوشوں کا حاصل بالاخر شیریں ہوتا ہے۔ تفتیشی رپورٹر ابتداً عام نوعیت کے لوگوں سے انٹرویو کر کے معلوم حقائق ریکارڈ کرتے ہیں پھر بتدریج اہم ترین ذرائع کی طرف بڑھتے ہیں، یہاں تک کہ آخر میں لوگوں سے انٹرویو کرتے ہیں، جو اصل خبر کی تصدیق کرتے ہیں۔

پاکستان میں ہیروئن کی پیداوار اور تقسیم کے سلسلے میں تفتیش کا یہی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ فرض کیجئے آپ اس سلسلے میں رپورٹنگ کریں گے آپ سیدھے جا کر منشیات کے کسی بڑے اسمگلر سے یا اس کی مجرمانہ کارروائی کی نگرانی کرنے والے کسی افسر سے انٹرویو کی کوشش نہیں کریں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ جونہی ان لوگوں کو معلوم ہو گا کہ ایک رپورٹر تاک جھانک میں لگا ہوا ہے تو ان کا پیغام تمام متعلقہ افراد تک پہنچ جائے گا کہ فوراً محتاط ہو جائیں اور خبردار کوئی شخص لب کشائی نہ کرے۔

اسی طرح ایک محکمے کے سربراہ کو جونہی معلوم ہوگا کہ اس کے خلاف نا اہلی کے الزام کی چھان بین شروع ہوگئی ہے، وہ اپنے ہر ماتحت کو سختی سے متنبہ کردے گا کہ کوئی شخص رپورٹر سے بات نہ کرے ورنہ اسے اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اسی طرح منشیات کے کسی بڑے سوداگر کو جب یہ علم ہوگا کہ کوئی رپورٹر اس کے مجرمانہ کاروبار کی چھان بین کر رہا ہے تو وہ بیچ کے لوگوں اور درمیانہ ''تاجروں'' کو اپنا منہ بند رکھنے کا حکم دے گا۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ انتہائی اہم افراد سے انٹرویو آئندہ کے لیے اٹھا رکھیں اور ان سے بات چیت سب سے آخر میں کریں۔

تفتیش کی رپورٹ کیسے مرتب کی جائے؟

چھان بین خواہ کسی طرح کی ہو، اسے شروع کہاں سے کیا جائے اور کس سے انٹرویو کیا جائے، یہ سوالات ہمیشہ پریشان کن ثابت ہوئے ہیں۔ اسی طرح دستاویز کی چھان بین کے بعد اپنے نتائج کو کاغذ پر منتقل کرنا، خاص طور پر اس صورت میں جب اعداد و شمار بکثرت ہوں اور ایک سے دوسری کہانیاں نکل رہی ہوں۔ بہت دشوار ہوتا ہے۔ ویسے ایک بات برسبیل تذکرہ۔ مجرمانہ کاروبار کرنے اور کرپشن سے پردہ اٹھانے کے لیے رپورٹروں کو قدرے چالاکی سے کام کرنا پڑتا ہے۔

اپنے ذرائع پر انحصار کرنا ایک حد تک تو فائدہ مند ہوسکتا ہے، لیکن کسی خبر کو اصل تقویت اس وقت حاصل ہوتی ہے، جب اس کی تائید میں واضح اعداد و شمار پیش کئے جائیں اور خبر کی عینی شہادت موجود ہو۔ جب آپ کسی ذریعے سے خبر حاصل کریں تو اسی پر تمام تر انحصار نہ کریں بلکہ اس کی تصدیق دو قابل اعتماد افراد سے ضرور ہونی چاہیے یہ وہ مسلمہ طریقہ ہے، جو تمام بڑے اخبارات کے پختہ کار رپورٹر اختیار کرتے ہیں۔ پھر خبر کی اشاعت کا فیصلہ کرتے وقت دیکھنا چاہیے کہ خود رپورٹر کا قیاس کیا کہتا ہے اور کیا اس کا دل اس خبر کی صداقت کو تسلیم کرتا ہے۔

رپورٹر کو بہرحال یہ تو یقین کرنا ہی پڑے گا کہ اس کے ذرائع جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ غلط نہیں اور اسے دوسرے ذرائع سے جو اشارے ملے ہیں، ان سے بھی انہی نتائج تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ اکثر تو یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی خبر کے سلسلے میں کلی طور پر اپنے

ذرائع کی اطلاع پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے لیکن کچھ سوچ بچار کے بعد رپورٹر دوسرے ذرائع سے ضروری اعداد و شمار معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

یہاں پولیس کرپشن کے سلسلے میں ایک خبر کی مثال شائع کی جا رہی ہے۔ کوئی پولیس والا بشرطیکہ بہت ہی احمق نہ وہ اپنی رشوت ستانی کے دستاویزی شواہد نہیں رکھے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ پولیس کرپشن کی خبر سرے سے دی ہی نہیں جا سکتی۔ ایک رپورٹر خبر کا آغاز دکانداروں، ٹیکسی اور رکشا چلانے والوں اور خود پولیس افسران کے ساتھ گفتگو سے کر سکتا ہے۔ اس بات کے نتیجے میں چند لچسپ خبریں ہاتھ لگیں گی، لیکن صریح حقائق تو بہر حال حاصل نہ ہوں گے۔

ان حالات میں رپورٹر حکومت پنجاب کے دفتر میں جائے گا اور ان دستاویزات کا مطالعہ کرے گا جن سے یہ علم ہو سکے کہ لاہور کی کن سڑکوں کے کنارے سودا بیچنے والوں کو اپنی ریڑھی لگانے کی اجازت ہے اور کن جگہوں پر یہ اجازت نہیں ہے۔ جہاں یہ اجازت نہیں، ان جگہوں کے نام نوٹ کرنے کے بعد وہ وہاں جائے گا اور ارد گرد بیٹھے ہوئے ریڑھی والوں کی تعداد شمار کرے گا۔ اس موقع پر وہ بعض ریڑھی اور چھابڑی والوں سے انٹرویو بھی کر سکتا ہے (ملاحظہ ہو انٹرویو سے متعلق باب) اور ان سے پوچھے گا کہ وہ اس جگہ پر بیٹھنے کے لیئے یومیہ کتنی رشوت دیتے ہیں۔ ممکن ہے اسے کچھ ریڑھی والے رشوت دیتے ہوئے بھی نظر آ جائیں، بلکہ اگر ہو سکے تو وہ کسی مقام سے چھپ کر فوٹوگراف بھی لے سکتا ہے۔ ایک اور طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ریڑھی لگا کر کاروبار شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کرے اور اس سلسلے میں جب پولیس افسر سے معاملے کی بات چیت ہو تو وہ ساری گفتگو اپنے ریکارڈر پر ٹیپ کر لے۔

رپورٹر کا دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ وہ رشوت خور افسروں کے بارے میں پتہ چلائے کہ کون کون کتنا کھاتا ہے اور ان کو ہفتہ وار، ماہانہ یا سالانہ کتنی آمدنی ہوتی ہے۔ ایک ہفتے کے دوران، دو جگہوں میں ریڑھی لگانے والوں کی اوسطاً کتنی آمدنی ہوتی ہے اس سے حساب لگایا جا سکتا ہے کہ ریڑھی والے ہفتے بھر میں کتنی رشوت دیتے ہیں اور پولیس والوں کی مجموعی آمدنی کیا ہے۔

پھیری والوں کے تبصروں کے ساتھ رپورٹر کو پولیس کرپشن کی ایک مکمل تصویر مل جاتی

ہے۔اس طرح رکشااور ٹیکسی والوں سے ہونے والی اوسط آمدنی کا موٹا حساب لگایا جاسکتا ہے۔

اتفاق یہ ہے کہ لاہور پولیس تفتیشی رپورٹنگ کا ایک اچھا عنوان ہوسکتی ہے ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہوٹلوں کے بارے میں سالہا سال سے یہ بات مشہور ہے کہ وہاں مسافروں، خاص طور پر مغربی ممالک سے آنے والے سیاحوں کے کمروں میں چپکے سے ہیروئن چھپا دیتے ہیں، پھر پولیس کو خبر کر دیتے ہیں کہ وہاں آئے اور چھاپہ مارے۔فطری بات ہے کہ اس وقت مسافروں کو اپنی جان بچانے کے لیے پولیس کو رشوت دینی پڑتی ہے۔ پولیس ملازم رشوت لے کر اس میں سے ایک مناسب حصہ ہوٹل والوں کے حوالے کرتے ہیں۔

پاکستان میں اوراس کی طرح دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں ٹیلیفون کنکشن کی تقسیم بھی نہایت سنسنی خیز خبروں کا موضوع بن سکتی ہے۔اس مسئلہ کی وجہ سے پاکستان کو غیر ملکی تجارت سے اور ملک کے اندرروزمرہ کے کاروباری معاملات سے جو آمدنی ہوسکتی تھی اس میں بے پناہ نقصان اٹھانا پڑرہاہے۔مغرب میں ٹیلیفون ایک ضرورت ہے، یہاں ایک سامان تعیش ہے۔

سب سے پہلے ان لوگوں کا پتہ چلائیے جنہیں حال ہی میں ٹیلیفون کا کنکشن ملا ہے۔ کیااس کے لیے انہیں رشوت دینی پڑی؟ اگرانہوں نے رشوت دی تو رقم کتنی تھی؟ ٹیلیفون کا محکمہ ہر سال ان لوگوں کے ناموں کی فہرست شائع کرتا ہے،جنہیں ٹیلیفون دیئے گئے۔اپنے لیے ایک ٹیلیفون کنکشن حاصل کرنے کی کوشش کیجئے یا کسی دوست کو آمادہ کیجئے کہ وہ کوشش کرے ۔رشوت کی پیشکش کیجئے۔اگر وہ رشوت لے لیں تو یہ دیکھئے کہ ٹیلیفون لگتا بھی ہے یانہیں۔یہ بھی کتنی دلچسپ خبر ہوگی کہ رقم بھی اینٹھ لیتے ہیں اور کام بھی نہیں کرتے۔

کراچی میں جن لوگوں نے فون کنکشن کے لیے درخواستیں 1977ء میں دی تھیں۔انہیں 1989ء میں ٹیلیفون ملے۔آخرا تنا طویل انتظار کیوں؟ اس بارے میں ملک کے دوسرے بڑے شہروں کی فہرست بھی ہوگی۔ وہ حاصل کیجئے۔ اس خبر میں کاغذی یا دستاویزی سراغ رسانی کا خاصا موادموجود ہے۔اب یہ معلوم کیجئے کہ ٹیلیفون کی تنصیب کے سلسلے میں اصلاح احوال کے لیے حکومت کسی طرح کی کوشش کر رہی ہے اور فی الواقعی ایسی کوئی کوشش ہو بھی رہی ہے یانہیں۔تاجروں سے گفتگو کیجئے۔ پاکستان میں اور جو لوگ باہر رہتے ہیں ان سے پوچھئے کہ یہاں کی فون سروس کے بارے میں وہ کیا کہتے ہیں اوراس سے

کہیں ان کے کاروبار کو نقصان تو نہیں ہو رہا ہے۔ اسلام آباد میں اس اتھارٹی سے بات کیجئے جو فون کی کارکردگی کی نگران ہے۔ پھر اس محکمے کے اعلیٰ عہدیداروں سے بات چیت کیجئے۔ یہ ان خبروں میں سے ایک ایسی خبر ہوگی جن سے معلوم ہوگا کہ فون کی کارکردگی کی اصلاح کے لیے جو نظام وضع کیا گیا تھا، وہ فی الوقت موجود تو ہے، لیکن بے اثر ہوتا جا رہا ہے۔

کچھ اور خبریں لیجئے، جن میں دوسری طرح کے چیلنج موجود ہوں گے، ایک ایسے معاشرے میں جہاں دستاویزات کی مدد سے خبروں کے حصول کا طریقہ موجود نہیں یا موثر نہیں، وہاں سماجی مسائل کی سنگینی اور خرابیوں کی سطح کو جانچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ماہروں اور رپورٹروں کے تخمینوں پر انحصار کیا جائے۔ یاد رکھیئے کہ رپورٹروں کی بہت سے حقائق معلوم کرنے کے لیے اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے اپنے طریقے خود واضع کرنے پڑتے ہیں۔

انصاف شرط ہے

رپورٹر کے پاس رشوت خور افسروں اور ایسے ہی دوسرے لوگوں کے خلاف خواہ شہادتوں کے پہاڑ کھڑے ہوں، لیکن اسے بہر حال ان افراد کو اپنی صفائی کا موقع ضرور دینا چاہیے اسے کہتے ہیں، انصاف سے کام لینا۔ ایک رپورٹر اور اس کے اخبار کے لیے نیک نامی اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ ہر فریق کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دے۔

خفیہ ذرائع

خفیہ اور آف دی ریکارڈ ذرائع کا استعمال اس وقت مناسب ہے جیب ایسا کرنا ناگزیر ہو جائے۔ ایسے میں رپورٹر کو چاہیے کہ اپنے ''ذریعے'' کو ریکارڈ پر آنے یعنی اپنا کام ظاہر کرنے کی درخواست کرے۔ اگر وہ پھر بھی انکار کر دے تو اس کی دی ہوئی اطلاع کو غور سے سننے اور ایک بار پھر پوچھے کہ کیا اس میں ایسی کوئی بات بھی ہے جو اس کے حوالے سے شائع کی جا سکے اور کیا اسے ایسی کسی حقیقت کا علم ہے؟ رپورٹر کو کسی نہ کسی ذریعے سے ایسی کوئی بات معلوم کرنے کی کوشش جاری رکھنی چاہیے جسے ریکارڈ پر لایا جا سکے، اور حوالے کے طور پر داوین کے درمیان پیش کیا جا سکے۔

خفیہ رہ کر خبریں حاصل کرنا

اپنی اصل شناخت کو چھپا کر خود کو کچھ اور ظاہر کرنا یا مدتوں خفیہ رہتے ہوئے خبریں حاصل کرنا یہ وہ طریقے ہیں، جن کے بارے میں صحافیوں کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو مختلف طور پر پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے مخاطب سے غلط بیانی کر رہے ہیں۔لیکن خبر کے حصول کے اس طریقے کو آپ کیا کہیں گے کہ مثال کے طور پر امریکہ میں سیاہ فام نسل کے باشندوں کے ساتھ جائیداد کی خرید وفروخت کے معاملے میں نسلی تفریق کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔اس شکایت کی تصدیق کے لیے سیاہ فام نسل کا ایک رپورٹر اسٹیٹ ایجنٹ کے دفتر میں جا کر لوگوں سے سن گن لیتا ہے، البتہ یہ ظاہر نہیں کرتا کہ وہ اخبار کا رپورٹر ہے، بلکہ خود کو کچھ اور ظاہر کرتا ہے۔ کیا اس طریقے کو غیر اخلاقی کہا جائے گا؟ ہمارا خیال ہے، نہیں۔ رپورٹر اپنی حیثیت کو چھپا کر کبھی پولیس کی حوالات میں، کبھی قید ہو کر جیل میں اور کبھی طالب علم بن کر ہوسٹل میں جا نکلتے ہیں اور وہاں سے حقائق کا انکشاف کرتے ہیں۔ ایسے رپورٹروں کو امریکی روزنامہ شکاگو ٹربیون کے رپورٹر ولیم ایکسٹن والڈ نے یہ مشورے دیئے ہیں، انہیں ہمیشہ یاد رکھیئے:

- اپنا کام صحیح طرح انجام دیجئے اور لوگوں کی زندگیوں کو خطرے میں نہ ڈالیئے۔
- ایک اچھی خبر بنانے کی لالچ میں لوگوں کو قانون شکنی پر ہرگز نہ اکسایئے۔
- اپنے بارے میں ایک فرضی پس منظر بیان تو کیجئے لیکن جس حد تک ممکن ہو، صداقت سے قریب رہیے۔ رپورٹر کو چاہیے کہ اپنے اصل نام کے ایک حصے کو بجنسہٖ باقی رکھے تا کہ اسے اسی نام سے یاد رکھا اور بلایا جا سکے اور جب وہ درخواستیں دے تو اپنے تجربات کا صحیح حوالہ دے، ہاں البتہ اسے اپنے رپورٹر ہونے کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں۔ (مثلاً محمود احمد، خود کو احمد کے نام سے متعارف کرائیں)
- قانون شکنی ہرگز نہ کیجئے۔

حقائق کی تصدیق

تفتیشی اور تحقیقاتی نوعیت کی خبروں میں چونکہ اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے اور ان کے سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کا امکان بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا رپورٹر کے لیے لازم ہے کہ اشاعت کے لیے دینے سے پہلے ان کی صحت کی تصدیق دو بار بلکہ تین بار کر لے۔ ہر

وہ بات جو ''آف دی ریکارڈ'' کہی گئی ہے: اگر ممکن ہو تو اس کی تصدیق کسی اور حوالے سے بھی کر لے۔ امریکہ میں اخباری قوانین سے متعلق ایسی فرمیں موجود ہیں جو قانونی مسائل سے بچنے کے لیے تفتیشی نوعیت کی خبروں کی چھان پھٹک کر لیتی ہیں۔ پاکستان میں بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ یہاں تو عام طور پر اس کا بوجھ حکومت ہی اٹھاتی ہے۔

خبر کی ساخت اور تحریر کا اسلوب

ایک تفتیشی رپورٹر کا سب سے مشکل کام یہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں حوالوں، اعداد و شمار اور مشاہدات کو اختصار کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر کسی طرح ایک مربوط خبر یا متعدد خبروں کے ذریعے اپنے قارئین تک پہنچائے۔ خبر کے مختلف اجزا سے حقائق کا انکشاف ضرور ہونا چاہیے، لیکن یہ نہ ہو کہ تحریر ایک بے جان نثر کا نمونہ بن جائے۔ گویا کسی ثقہ عالم نے نہایت پیچیدہ موضوعات پر کوئی مقالہ سپرد قلم کیا ہو۔ رپورٹر کے تحریر کردہ مضامین مدلل اور معقول، تجزیاتی، پڑھنے میں دلنشین اور متوازن ہوں۔ تفتیشی خبریں دینے والے بڑے بڑے رپورٹروں نے اپنی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ پروگرام کس طرح ناکام ہو جاتے ہیں اور لوگ کس طرح راہ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں۔ وہ تبلیغ نہیں کرتے، البتہ مذمت کر سکتے ہیں۔ بہترین خبریں وہ ہوتی ہیں، جن میں مسائل کی وضاحت ہو، بڑے بڑے کرداروں کا تعارف ہو اور زیر بحث مسائل کے تاریخی پس منظر کی وضاحت ہو، اس کے بعد یہ اخبار کے قارئین، سیاست دانوں اور اداریہ نویسوں کا کام ہے کہ معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیں اور ان پر رائے زنی کریں۔

تفتیشی اور تحقیقی نوعیت کی خبروں میں بسا اوقات پیچیدہ نوعیت کے طریق کار اور انتظامی امور کی تفصیلات درج ہوتی ہیں جن سے قاری الجھن میں مبتلا ہوتا ہے۔ رپورٹر کو چاہئے کہ تحریر سے پہلے اچھی طرح سوچ لے کہ وہ پیچیدہ تفصیلات کو آسان اور عام فہم نثر میں کس طرح بیان کرے گا۔ جب کسی خبر میں بہت سے مسائل داخل ہو جائیں تو تفتیشی بلکہ تحقیقی نوعیت کی خبر ایک قسط میں نہیں سماتی اور اسے سلسلہ وار مضامین کی صورت میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ایک ہی موضوع پر چار پانچ مضامین مرتب ہو جاتے ہیں اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قارئین خبر کی تفصیلات کو آسان وقفوں کے درمیان پڑھ کر ذہن نشین

کرتے جاتے ہیں اوران کی طوالت ذہن پر بوجھ نہیں بنتی ۔

تفتیشی رپورٹنگ کے سلسلے میں پاکستانی اخبارات کا کردار بتدریج ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ دراصل آزاد صحافت کا تعلق ایک آزاد اور جمہوری معاشرے سے ہے۔اگر ملک میں جمہوریت ہے اورعوام کے تمام شہری حقوق کی حفاظت کے لیے جمہوری ادارے موجود ہیں تو اخبارات بھی اپنا کردار آزادی کے ساتھ انجام دے سکیں گے بلکہ اپنی خوداعتمادی کی بدولت ان خطرات کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گے جوعوام کی آزادی کے درپے نظر آئیں گے۔ پاکستانی اخبارات نے عام انتخابات کے دوران میں جہاں کہیں بھی بدعنوانی دیکھی فوراً اس کی نشاندہی کی۔ سودے بازی، دھونس، دھاندلی اور ہارس ٹریڈنگ کے واقعات کا پردہ چاک کیا۔ انتظامیہ کی جانب داری اور پولیس کے روایتی جبر کو بے نقاب کیا۔مثلاً دسمبر 1990ء میں ملتان سے اس مفہوم کی خبر آئی کہ وہاں ایک دس سالہ بچی کو بے آبرو کیا گیا اور بعدازاں وہ ہلاک ہوگئی۔ملزم عام اطلاع کے مطابق علاقے کے بااثر زمیندار تھے لیکن پولیس نے بچی کے باپ کو زنا بالجبر اورقتل کے الزام کے تحت گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔ یہ بات ناقابل یقین تھی، چنانچہ اس واقعے کی تفتیش کے لیئے ایک اعلیٰ افسر کو لاہور سے بھیجا گیا۔ پولیس افسر کی رپورٹ نے بھی مقامی پولیس کے موقف کی تائید کر دی۔ اس کے باوجود اخبارات نے اس واقعے کا سختی سے نوٹس لیا اور حقائق بے نقاب کیئے۔ فیصلہ تو بہرطور عدالت کرے گی لیکن کرائم رپورٹر اب پولیس کے روزنامچے کی صداقت کو آنکھ بند کر کے برحق نہیں مانتا۔

انہی دنوں اسلام آباد کے ایک روزنامے نے مرکزی حکومت کے ایک سابق سیکرٹری کی بدعنوانی کی خبر دستاویزی شواہد کے ساتھ شائع کر دی کہ موصوف نے جب وہ وزارت اوقاف میں سیکرٹری کے منصف پر فائز تھے، اپنے بیٹے کو زکوٰۃ فنڈ سے 30 لاکھ روپے کاروں کی خریداری کے لیے دلوائے، یہ کاریں ان کے محکمے کے اعلیٰ افسروں کے لیے تھیں لیکن وہ رقم بھی ملتان میں ایک ہوٹل کی خریداری میں کام آ گئی۔ جب یہ خیانت پکڑی گئی اورایف آئی اے نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا تو صاحب موصوف نے 30 لاکھ کی رقم سرکاری خزانے میں جمع کرادی اور بعد میں اپنے اس عمل کی طرح طرح سے توجیہہ کرنے لگے۔ حالانکہ بددیانتی بہرحال بددیانتی ہے اور سرکاری خزانے میں غبن کے اس

واقعے کو کوئی ''با عزت'' نام نہیں دیا جا سکتا۔منشیات کے انسداد میں پولیس اور کسٹم کے عہدیداروں کی ناکامی اور ان میں بد دیانت افراد کی مجرموں کے ساتھ ملی بھگت بعض سرکاری کارپوریشنوں میں سرمائے کی خورد برد اور بدنظمی، سرکاری لین دین خاص طور پر صحت اور تجارت کے شعبوں میں ناقص منصوبہ بندی اور غلط فیصلوں کے سبب رونما ہونے والے نقصانات اور اسی نوعیت کی دوسری خبریں ہمارے اخبارات میں شائع ہوتی آئی ہیں، جن سے رپورٹروں کی پیشہ ورانہ دیانت، فنی مہارت اور کردار کی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔

فیچر ہو، خبر ہو یا کوئی تفتیشی رپورٹ ان میں اعداد و شمار کی بڑی اہمیت ہے، خاص طور پر اس صورت میں جب مشن کا تعلق معیشت، زراعت، صحت اور مالیات سے ہو اور جب ایسا ہو تو رپورٹر کو ایک ہی پیراگراف میں بہت سے ہندسوں کا ڈھیر لگانے سے گریز کرنا چاہیے۔حقائق کا اور اعداد و شمار کا انبار لگا ہوا ہو تو عبارت کی روانی متاثر ہوتی ہے اور اسے پڑھ کر لطف نہیں آتا۔مثلاً ہسپتال کے ایمرجنسی روم میں مریض کی کیفیت اور ڈاکٹر اور اس کے اسٹاف کی پیشہ ورانہ محویت سے ہر قاری کو دلچسپی ہوگی، لیکن ایمرجنسی روم کی یہ تصویر کہ یہ ایک طویل کمرہ ہے، جس کے باہر ''ریڈ روم'' کی تختی لگی ہوئی ہے، کمرے کا طول و عرض 30x24 فیٹ ہے اور اس میں طرح طرح کے آلات کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے، جنہیں کوئی ڈاکٹر ہی سمجھ سکتا ہے۔'' ان تفصیلات سے قاری کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ ان میں انسانی دلچسپی کا کوئی عنصر موجود نہیں ہے۔

غیر ضروری اور روکھے پھیکے اعداد و شمار کو اپنی خبر یا فیچر میں داخل کرنے کے لیے وہی طریقہ اختیار کیجیے، جو رپورٹنگ کے باب میں بیان کیا جا چکا ہے، یعنی بلٹس کا استعمال ضروری حقائق اور اعداد و شمار، حتیٰ کہ بعض فکر انگیز نکات کو چند مختصر پیراگراف میں سمونے کے بعد آپ رسمی باتوں کو بلٹس (Bullets) کے ذریعے قارئین تک پہنچا سکتے ہیں۔وہ اس طرح کہ مثلاً مرکزی حکومت نے اپنے بجٹ میں مختلف ترقیاتی مقاصد کے لیے الگ الگ منصوبوں کے لیے جو رقوم مختص کی ہیں، انہیں ایک ایک سطر میں الگ الگ بیان کیا جا سکتا ہے بجائے اس کے کہ سارے اعداد و شمار کا انبار ایک ہی پیراگراف میں لگا دیا جائے۔

خیالات کی ہم آہنگی

اگر آپ کسی موضوع پر قسط وار رپورٹ لکھ رہے ہیں تو ہر قسط میں ایک الگ مسئلہ پر اظہار خیال کیجئے۔ اس قسط میں خیالات کا تسلسل اور ہم آہنگی ضروری ہے۔ ایک تحقیقی خبر کو لکھنے سے پہلے صحافی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے حدود متعین کر لے۔ بہت سے مسائل کو بیک وقت چھیڑنا اور کبھی ایک کی طرف اور کبھی دوسرے موضوع کی طرف لپکنا، تحریر کو گنجلک اور بے کیف بنا دے گا اور قاری اس کی پیچیدگیوں میں الجھ کر رہ جائے گا۔ مثال کے طور پر آپ ایک رپورٹ میٹرک کے طلبہ کی ناکامی کے اسباب پر مرتب کر رہے ہیں آپ نے دیکھا کہ اب کے برس میٹرک کے امتحانات میں 48 فیصد طلبہ ناکام ہو گئے۔ یہ ایک طویل موضوع ہے۔ اس پر مفصل خبر تیار کرنے کے لیے آپ کو بہت سے انٹر ویوز کرنے ہوں گے۔ بہت سے اعداد و شمار درکار ہوں گے۔ یہ ایک طویل رپورٹ ہوگی جسے ایک ہی قسط میں سمیٹنا ممکن نہ ہوگا، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آپ پورے موضوع کو اقساط میں بانٹ دیں۔ مثلاً اس طرح:

(1) میٹرک کا نتیجہ ایک نظر میں۔ پچھلے 5 سال کے نتائج سے تقابل۔ چند ناکام طلبہ سے گفتگو والدین کا ردعمل، اساتذہ اور ہیڈ ماسٹر سے انٹرویو۔ (پہلی قسط)

(2) طلبہ، والدین، اساتذہ اور ماہرین تعلیم سے گفتگو کی روشنی میں اس سوال کا جواب تلاش کرنا کہ طلبہ ناکام کیوں ہوتے ہیں- نصاب کی تدریس کا ناقص طریقہ اسکولوں میں ڈسپن کی کمی اور اسکولوں کی مسلسل بندش۔ (دوسری قسط)

(3) گھر اور معاشرے کا نقص ماحول، جو طلبہ کو تعلیم سے بیزار اور مطالعہ سے دور کرتا ہے (تیسری قسط)

(4) نصاب کے نقائص اور یہ کہ بچوں کو سفارش سے پاس کرا کے میٹرک میں پہنچا دیا جاتا ہے حالانکہ ان کی تعلیمی بنیاد کمزور ہوتی ہے۔ (چوتھی قسط)

(5) سفارشات اور تجاویز (آخری قسط)

یہ ایک سرسری مثال ہے۔ رپورٹر اس کی روشنی میں اپنی راہ خود متعین کر سکتے ہیں۔ منشیات اسمگلنگ، اسلحہ کی ناجائز تجارت اور لسانی تفرقے کے موضوعات پر مفصل اور قسط وار رپورٹیں پاکستان کے اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ رپورٹر کو ایسی قسط وار خبروں کو بغور پڑھنا چاہیے۔

کوئی خبر اگر تفتیش اور تلاش پر مبنی ہے اور اسے ایک سلسلہ وار مضامین کے تحت بیان کیا ہے تو اس کی ہر قسط کو سیر حاصل اور مکمل ہونا چاہیے۔ مناسب عنوانات کے تحت موضوع کی تقسیم، ہر نکتے کی وضاحت کے لیے موصولہ کوائف کی یکجائی اور جہاں ضروری ہو وہاں بلٹس کے استعمال سے بھاری بھرکم سلسلہ مضامین بھی قارئین تک خوش سلوبی سے پہنچائے جاسکتے ہیں۔

رپورٹر کے لیے یاد رکھنے کی باتیں:

- کیا میں نے اپنے موضوع سے متعلق نظام کار کو سمجھ لیا ہے؟
- کیا اپنے موضوع کو مناسب طور سے بیان کرنے کے لیے میں نے تحقیق کر لی ہے اور متعلقہ لوگوں کے ساتھ انٹرویو کر لیے ہیں؟
- کیا میں نے ان تمام ذرائع سے مدد لے لی ہے جو موضوع کی رعایت سے میرے لیے مفید ہو سکتے ہیں؟
- کیا میں نے وہی دانش مندانہ طریقہ اختیار کیا ہے جو تجربے سے مفید ثابت ہوا ہے، یعنی یہ کہ معمولی لوگوں سے ملاقات کر کے درجہ بدرجہ اہم لوگوں تک پہنچا اور آخر میں اہم ترین شخصیت سے ملاقات کی۔
- کیا میں نے اپنی خبر کا آغاز ایک دلنشین اور چونکا دینے والے ابتدائیے سے کیا ہے؟
- کیا اہم نکات کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے لیے بلٹس (Bullets) مرتب کر لی گئی ہیں؟
- کیا پورے سلسلہ مضامین میں موضوع کی وضاحت تسلسل کے ساتھ ہوتی رہی ہے تاکہ قاری ان سے بے خبر رہے۔
- کیا مشاہدات اور واقعات کا مناسب استعمال کیا گیا ہے؟
- کیا اس پورے متن کو پڑھ کر ایک عام قاری کسی واضح نتیجے تک پہنچ سکے گا؟

☆☆☆

5

آرٹس (فنون لطیفہ) پر لکھنا

صحافت کے شعبے میں فنون لطیفہ پر لکھنا ان دنوں بیک وقت ایک پر لطف اور ہمت آزما کام ہے۔ گزشتہ دو ہی عشروں کے دوران فنون لطیفہ پر خامہ فرسائی نے ایک علیحدہ اسلوب کی حیثیت اختیار کر لی ہے جس کے لیے الگ عملے کی ضرورت ہوتی ہے اور جس پر لکھنے والے کے لیے ماہر اور ہنر مند ہونا ضروری ہے۔ اب وہ بات نہیں رہی کہ فنون لطیفہ کے صفحات میں انگریزی کے وہ ناکام اور مایوس پروفیسر پناہ ڈھونڈ لیں جو ناول نگار بنتے بنتے رہ گئے یا سماجی سرگرمیوں کا صفحہ مرتب کرنے والے ایڈیٹر یہاں قبضہ جما لیں۔ مغربی اخبارات میں آج کل فنون لطیفہ پر پر لکھنے والے صحافی اکثر فن کے متعلقہ شعبے میں سند یافتہ ہوتے ہیں یا ایک خاص شعبے میں سالہا سال تک کام کرنے کی بنا پر ان میں گہری واقفیت ضرور پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔

فنون لطیفہ پر مضمون نگاری کا امکان پاکستان میں بھی آئندہ خاص روشن ہے۔ اسپین جیسے ملکوں میں جمہوریت کی آمد سے فن کے شعبے کو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور یہ سب گویا ایک دھماکے کی طرح ہوا ہے۔ ایک کمتر سطح پر سہی لیکن غالباً پاکستان میں بھی یہی ہوگا۔ حکومت کوئی بھی ہو اور خواہ کیسی بھی ہو، لیکن فنون لطیفہ نے تو اپنے قدم جمائے ہیں۔ جوں جوں پاکستانی شہریوں میں خوشحالی آئے گی، اس تناسب سے ان میں تھیٹر ریکارڈ، سمعی اور بصری کیسٹ، مطبوعات اور پینٹنگز اور اس سے متعلق دیگر فنی تخلیقات سے لطف اندوز ہونے اور انہیں حاصل کرنے کا ذوق فنون لطیفہ پر ہماری مضمون نگاری میں

اچھی صحافت کے سارے عناصر موجود ہوتے ہیں۔ البتہ ایک کلیدی فرق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب فنون لطیفہ پر لکھنے والا فنون لطیفہ کا ناقد بن جاتا ہے۔ یہیں سے اس کا کردار تبدیل ہوتا ہے اور وہ محض رپورٹر نہیں رہتا بلکہ فن کا مفسر اور مقالہ نگار بن کر تحقیق اور مثالوں کے ذریعے اپنی رائے قائم کرنے اور دوسروں کی آرا پر بحث کرنے کا وظیفہ انجام دیتا ہے۔

اس باب میں فنون لطیفہ پر رپورٹنگ کے بہت سے پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے، اس میں معمول کی رپورٹنگ سے لے کر ناقدانہ تصفیہ تک سبھی اسالیب شامل ہیں۔ اس پر بحث اس خیال سے کی گئی ہے کہ ہر پہلو کی واضح نشاندہی کی جائے اس باب کی حیثیت ایک پیچیدہ موضوع پر تعارف کی سی ہوگی اور یہ وہ موضوع جو اس وقت سے متنازعہ چلا آرہا ہے جب پہلے نقاد نے فنکار کے خلاف اپنی پہلی جارحانہ مہم کا آغاز کیا۔ فن کے میدان میں یہ عنوان ہمیشہ سے زیر بحث رہے ہیں یعنی نقاد کا کردار، نقاد کی وساطت سے فنکار کا کردار اور فن کے شعبے میں ذرائع ابلاغ کا کردار۔ اس میں نہ کچھ صحیح ہے اور نہ غلط، صرف مشورے دیئے گئے ہیں۔ باقی رہے وہ لوگ جو یہ سمجھے ہیں کہ اس میدان میں جو کچھ ہے وہ صرف جھاگ کے ہیولے ہیں تو اس پر ایک اور پہلو سے نظر ڈالئے۔ فن کے نقاد جن میں یہ مصنف بھی شامل ہے، کسی کھیل کی دوبارہ نمائش سے پہلے، اپنے صرف ایک تبصرے کی بنیاد پر ایڈیٹر کے نام سیکڑوں خطوط لکھ سکتے ہیں' کیونکہ فن کے نقاد بہرحال ایک طاقت رکھتے ہیں، جو لوگ نقاد پر تنقید کر کے خوش ہو لیتے ہیں، ان کو بہلانے کے لیے بھی نقاد کے پاس خاصے دلائل موجود ہوتے ہیں۔

فنون لطیفہ کی اخباری کوریج

موسیقی، رقص یا تھیٹر پر اخبار کے لیے لکھنا سیاست اور تجارت کے شعبوں کی کوریج سے مختلف نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فن کا سیاست اور تجارت کے ساتھ بسا اوقات ایک حیران کن تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک عام رپورٹر اپنی بیٹ کی خبریں دیتا ہے۔ اس طرح فنون لطیفہ کا رپورٹر اس شعبے میں متعلقہ لوگوں کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھتا ہے اس شعبے کے واقعات پر اس کی نظریں لگی رہتی ہیں اور وہ برابر فون پر مصروف کار رہتا ہے۔ فن کی بڑی بڑی تنظیمیں کیا کر رہی ہیں، ان کے پروگرام کیا ہیں اور ان کے منتظم

اور عملے کے اہم لوگ کون ہیں، وہ ان سب سے واقف ہوتا ہے۔ وہ اپنے شہر کے اور ملک کے سر کردہ فنکاروں کے نام جانتا ہے اور ان میں مصور، موسیقار، ڈائریکٹر، ایکٹر، مصنف، رقاص اور وہ تمام افراد شامل ہیں جو فن کی تخلیق کرتے ہیں۔

فنون لطیفہ کی رپورٹنگ میں درج ذیل امور ہمیشہ یاد رکھیں

- فنون لطیفہ کے شعبے میں ہونے والے واقعات کا کیلنڈر پاس رکھیں اور ان میں ہونے والی تبدیلیوں سے باخبر رہیں
- اگر کوئی فن کار شہر میں آرہا ہو تو اس کے میزبانوں سے یا فنکار کے ایجنٹ سے یہ معلوم کریں کہ کیا اس سے ٹیلیفون پر انٹرویو ممکن ہے۔
- علاقائی، قومی، بین المملکتی اور بین الاقوامی رجحانات سے باخبر رہیں اور اس امر پر بھی نظر رکھیں کہ ان رجحانات کے تناظر میں پاکستان کا مقام کیا ہے۔
- ملکی اور بین الاقوامی مجلوں میں فنکاروں اور ان کے فن کے بارے میں جو کچھ شائع ہوتا رہتا ہے اسے برابر پڑھتے رہیں، تحریر کے مختلف اسالیب اور ان کے مواد پر بھی نظر رکھیں۔

انٹرویو کے آداب

فنکاروں کے ساتھ انٹرویو نہایت شاندار ہوتے ہیں۔ فنکار وہ ہستی ہے کہ کسی اور شخص نے زندگی کو سمجھنے کے لیے اس سے زیادہ کرب برداشت نہیں کیا ہوگا اور نہ کوئی شخص اس سے بہتر طور پر زندگی کی ترجمانی کر سکتا ہے۔ اگر اس سے صحیح سوالات کئے جائیں اور ٹیپ ریکارڈر اس رکھ لیا جائے تو فنکار کے ساتھ انٹرویو ایک انتہائی دلچسپ صحافتی تحریر ثابت ہوگا۔

کسی فنکار کا انٹرویو کرنے سے پہلے کچھ تیاری کر لیجئے۔ اس کے ذاتی واقعات سے آگاہ ہوتے ہوئے معلوم کیجئے کہ آیا فن کے بارے میں اس کے کچھ نظریات ہیں۔ اگر ہیں تو انہیں سمجھئے اور اگر اس نے کچھ لکھا ہو تو وہ بھی پڑھ لیجئے۔ پھر جو کچھ اس کے بارے میں لکھا گیا ہو، اور اس میں اس کے انٹرویو اور تجزیاتی مضامین دونوں شامل ہیں، ان سب کا مطالعہ کر لیجئے۔ اس کے کام کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ تیار ہو کر جائیے اور اس کا وقت ضائع نہ کیجئے۔

یہ دیکھئے کہ اس کی زندگی میں ایک نیا رخ کب آیا؟ کیا اس نے اپنے اسلوب میں بار بار تبدیلی اختیار کی۔ وہ کن موضوعات پر زیادہ زور دیتا ہے؟ اس کی مالی حالت یا شراب کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی زندگی نے جب بھی اپنا رخ تبدیل کیا۔ اس کے اسباب معلوم کیجئے اور کوشش کیجئے کہ ان تبدیلیوں کی نشاندہی اور صراحت فنکار خود کرے۔

ملاقات کے لیئے ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ زائد وقت کی درخواست کیجئے۔ اس سے کہئے کہ بات چیت کے لیے اگر ایک دن آپ کو دے سکے تو بہت ہی اچھا ہوتا کہ آپ اس کے معمولات اور طور طریقوں سے واقف ہوسکیں۔ وہاں جائیے جہاں وہ اپنا تخلیقی کام کر رہا ہوتا کہ اس کے ماحول کو سمجھ سکیں۔

اپنی سہولت اور یادداشت کی خاطر سوالات لکھ رکھیئے، اگر بات چیت آپ کے سوال سے گزر کر کچھ دوسری دلچسپ حدود میں داخل ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، ایسا ہونے دیجئے سوالات سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے، یہ پتھر کی لکیر تو نہیں۔ بات چیت میں حوالوں سے مدد لیجئے، مثلاً کچھ اس طرح کہ ''آپ نے اپنے فلاں مضمون یا اپنی تیسری کتاب میں یہ دعویٰ کیا ہے--'' اس طرح متعلقہ شخص کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ نے اس کے بارے میں خاصا تحقیقی کام کرلیا ہے۔

اس کے دانش ورانہ افکار پر گفتگو کیجئے۔ اس کی تخلیقی کاوشوں کے محرکات کیا ہیں؟ وہ کوئی باقاعدہ ملازمت کیوں نہیں کر لیتا؟ اس کی نوجوانی کے دنوں کی اور خاندانی حالات کی باتیں کیجئے، بسا اوقات انہی باتوں کے درمیان معلوم ہو جاتا ہے کہ تخلیق کا سوتا اس کی زندگی میں کب اور کیسے پھوٹا اور یہ کہ وہ کون سی بات ہے جو اس کے دل کے تاروں کو چھو جاتی ہے۔

اس کی تازہ ترین تخلیق پر بات کیجئے۔ کیا وہ اس سے مطمئن ہے؟ اس کے ناظرین یا سامعین کا اس بارے میں ردعمل کیا ہے؟ وہ اس کا مقابلہ اپنی دیگر تخلیقات سے کس طرح کرتا ہے۔ اس تخلیق میں کتنا عرصہ لگا؟ اس میں کن جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے؟

اس کی تخلیق پر جو ناقدانہ آراء سامنے آئی ہیں، ان کے بارے میں دریافت کیجئے لیکن یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تنقید آپ کر رہے ہیں۔ اگر آپ دونوں میں بات چیت خوش اسلوبی سے چل رہی ہو تو اس طرح کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ ''آپ کی پہلی

کتاب نے مجھے بہت لطف دیا، لیکن دوسری میں زیادہ کاوش کارفرما نظر نہیں آئی۔ یہ مجھے کچھ ہلکی لگی، جیسے عجلت میں لکھی گئی ہو، ان دونوں تخلیقات میں جو فرق ہے، آپ اس کی توجیہہ کس طرح کریں گے۔

اگر بات چیت طویل ہوتی نظر آئے تو ذرا قرینے سے پوچھ لیجئے کہ کیا میں کچھ دیر اور ٹھہر سکتا ہوں۔ اس کے بعد اگر کسی نکتے کو آپ بخوبی سمجھ نہیں سکے تھے تو دوبارہ اس کی طرف رخ کیجئے یا دلچسپی دیگر موضوعات چھیڑ دیجئے۔

فنون لطیفہ کے بارے میں کیسے لکھا جائے؟

کسی فنی موضوع پر خبر کس طرح لکھی جائے، اس کا انحصار خبر کی اپنی قدر و قیمت اور اخباری کالم میں گنجائش پر ہے۔ ہر خبر تو چالیس کالم انچ کی نہیں ہوسکتی۔ انٹرویو اور تقریبات کی رپورٹ کے لیے سات پیراگراف سے لے کر زیادہ سے زیادہ 24 پیراگراف درکار رہوں گے۔ اس طوالت کا فیصلہ ایڈیٹر خبر نگار کی رپورٹ کو دیکھنے کے بعد ہی کرے گا۔ لیکن ایک بات ظاہر ہے کہ ہر تحریر طویل نہیں ہوگی۔ لکھنے والے کو خود بھی اس بات کا اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ کون سا موضوع ہے جو مفصل بیان کا تقاضہ کرتا ہے اور کہاں اختصار سے کام لینا ضروری ہے۔

فن کے ہر نمونے میں، خبر کے چند بنیادی عناصر ہوتے ہیں۔ یعنی کون' کیا' کب' کہاں اور کیوں؟ فنون لطیفہ پر لکھنے والے بیشتر صحافی ان بنیادی حقائق کو فراموش کر دیتے ہیں۔ یہ بات پاکستان میں خاص طور پر دیکھی جاتی ہے، جہاں فنون لطیفہ پر طبع آزمائی کرنے والے صحافی 20 پیراگراف تک شاعرانہ موشگافیوں سے کام لیں گے، لیکن قارئین کو یہ نہیں بتائیں گے کہ جس ''شو'' کے بارے میں انہوں نے یہ تفصیلات قلم بند کی ہیں وہ کہاں ہو رہا ہے۔ اگر کسی کنسرٹ کی خبر ہے تو صحافی پہلے تو یہ بتائیے کہ وہ کنسرٹ کہاں ہو رہا ہے اور کون لوگ اس میں کام کر رہے ہیں یا اس کا اہتمام کس گروپ نے کیا ہے، اسے اسپانسر کس نے کیا ہے اور ٹکٹ کی قیمت کیا ہے (ممکن ہے، یہ کنسرٹ کسی خیراتی کام کے لیے کیا گیا ہو۔ اس صورت میں تو اس کا تذکرہ خاص طور پر ہونا چاہیے) اسی طرح کی اطلاعات آرٹ کی نمائش کے سلسلے میں بہم پہنچانی چاہئیں۔ خاص طور پر یہ بتانا

ضروری ہوگا کہ مذکورہ نمائش کس گیلری میں کتنے دنوں تک ہوتی رہے گی اور روزانہ کتنی دیر جاری رہے گی۔ تھیٹر، فلم اور دوسری تقریبات کی خبریں دیتے ہوئے، ان تفصیلات کو واضح طور پر بیان کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ اطلاعات کے علاوہ آرٹس پر لکھنے والے صحافیوں کو متعلقہ فنکاروں کے اسلوب پر بحث کرنی چاہیے، ان کی سوانحی زندگی اور فنی زندگی کی کیفیت (یعنی انکا فن مائل بہ ترقی ہے یا زوال پذیر ہے) کا بیان بھی ضروری ہے۔

ایک محفل موسیقی کی رپورٹ میں موسیقاروں کا مختصر تعارف، ان کے فن کے شعبے اور منفرد اسلوب، ان کے مشہور نغمے اور راگ، موسیقی کی دنیا میں ان کے مقام اور منصب اور اثرات کا تذکرہ کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح اگر مصوری کی نمائش ہے تو مصوروں کے نام، ان کے طرز اظہار، ان کی تکنیک (تجریدی، حقیقت پسندانہ، وغیرہ وغیرہ) اور کسی مخصوص فنی روایت سے ان کی وابستگی کا تذکرہ ہونا چاہیے۔ پھر یہ بات کہ اس نمائش کا اہتمام کیا گیا، اگر گیلری کے منتظم کی زبان سے ادا ہو جائے تو یہ بہت اچھا ہو گا۔

یہی معلومات، فنون لطیفہ سے متعلقہ کسی بھی خبر میں، جس میں ایک فنکار یا مختلف شعبوں کے متعدد فنکار شامل ہوں، فراہم کی جاسکتی ہیں۔ زور اس نکتے پر دیجیے، جس کی بنا پر ان فنکاروں کو ایک مرکز پر جمع کر لیا گیا۔ (اس کے ساتھ ہی اگر آپ فنون لطیفہ کے ایک نقاد ہیں تو یہ تخمینہ بھی لگا سکتے ہیں کہ یہ اجتماع کس حد تک کامیاب رہا۔) اس پوری تقریب کی اہمیت کو قلم کی گرفت میں لانا بہت اہم ہوگا۔ کیا ان فنکاروں کو اس سے پہلے بھی ایک ساتھ پیش کیا گیا تھا؟ پاکستان میں کیا یہ اپنی نوعیت کا پہلا آرٹ فیسٹیول یا فنکاروں کا میلہ ہے؟ اگر یہ معلومات اس موقع کے لیے موزوں ہوں تو انہیں خبر میں شامل کر لینا چاہیے۔

اگر آپ کے پاس وقت ہو اور اخبار میں اس کی گنجائش ہو تو لاہور میں اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں بھی باہر سے آنے والے موسیقاروں اور فنکاروں سے گفتگو کیجئے۔ ٹیلیفون پر بات چیت کا موقع نکالیئے۔ اس سے پہلے سوالوں کی ایک فہرست تیار رکھیئے۔ ان کی گفتگو کا کوئی فقرہ اگر اپنی تحریر میں نقل کر سکیں تو اس سے عبارت میں جان پڑ جائے گی۔ اگر کوئی اسٹیج آرٹسٹ یا مصور انٹرویو کے لیئے موجود نہیں ہے تو گذشتہ

ملاقاتوں کی تفصیل کو استعمال کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ یہ تاثر نہ دیا جائے کہ یہ ایک تازہ انٹرویو ہے، مثلاً کچھ اس طرح کہ ''ماہنامہ نیرنگ خیال کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے مصور فطرت نے 1989ء میں کہا تھا...'' یہ نہ ظاہر کریں کہ متعلقہ شخص کے ساتھ بات چیت ابھی حال ہی میں ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ صحافتی بددیانتی ہوگی۔

اگر انٹرویو کے لیے رپورٹر کے پاس بہت کم جگہ باقی رہ گئی ہو تو فنکار کے ساتھ ملاقات میں اس کی زندگی کے نمایاں کارناموں کا تذکرہ کیجئے۔ اپنی عبارت میں اس بات کو خاص طور سے پیش کیجئے کہ فنکار اب کیا کر رہا ہے، اس کے آئندہ منصوبے کیا ہیں اور وہ اپنے حالیہ دورے یا اپنے مخصوص ''شو'' کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے۔ ایک پیراگراف میں بطور فنکار اس کے سوانحی حالات بیان کیجئے جس میں اس کی زندگی کے اہم پہلوؤں کے بیان پر زور دیا گیا ہو۔ ایک اور مختصر عبارت میں اس کی فنی وسعت نظر، فلسفہ حیات اور خاندانی پس منظر کا نہایت مختصر تذکرہ ہونا چاہیے۔ تاہم یاد رہے کہ یہ ایسی باتیں نہیں جنہیں کسی مختصر انٹرویو میں آسانی سے سمویا جا سکے گا۔

اہم کوائف کو ایک جامع عبارت میں ہنرمندی کے ساتھ کس طرح سمویا جا سکتا ہے، اس کے لیئے عبارت درکار ہے۔ اردو اخبارات میں اول تو موسیقی، مصوری یا کسی اسٹیج شو سے متعلق خبر کو مختصر اعلان کے طور پر شائع کر دینا کافی سمجھا جاتا ہے اور اس کی مکمل کوریج تقریب کے انعقاد کے بعد ہی مناسب قیاس کی جاتی ہے، دوسرے ہمارے اخبارات میں فنی تنقید کی روایت کچھ زیادہ پختہ نہیں ہے۔ سیاست، ان اخبارات کا سب سے پسندیدہ موضوع ہے، اس کے بعد جرم وسزا سے متعلق خبریں ہیں، سماجی صورت حال، تعلیم، اصلاح معاشرہ، اخلاقیات اور دینیات سے متعلق خبروں کے بعد محنت وتجارت اور اسپورٹس کو اہمیت دی جاتی ہے۔ موسیقی کی محفلوں کی رپورٹنگ کا رواج نہیں۔ اسی طرح قوالی اور مشاعرے کی خبریں تو دے دی جاتی ہیں، خاص طور پر شعراء کے کلام سے اشعار نقل کر دیئے جاتے ہیں لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ مصوری، موسیقی، اسٹیج ڈرامے اور فنون لطیفہ کے دیگر شعبوں کے بارے میں بالعموم رپورٹر کی معلومات محدود ہوتی ہیں، دوسرے اخبارات چونکہ ان موضوعات کو کچھ زیادہ لائق اعتنا نہیں سمجھتے، اسی لیئے رپورٹر بھی ان فنون سے گہری آگہی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور چند روایتی فقروں اور ستائشی کلمات

کے استعمال کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔ ''موسیقی مسحور کن تھی، رقص وجد آفریں تھا۔ قوالی روح پرور اور نشاط انگیز تھی۔ اسٹیج ڈرامے نے تماشائیوں کو محو حیرت رکھا۔ اداکاری کا معیار حیرت انگیز تھا۔ وغیرہ وغیرہ'' اس طرح کی مبالغہ آمیز تعریفی عبارتوں سے خبریں اور تبصرے مزین ہوتے ہیں۔ اس کی تلافی تصویروں سے کی جاتی ہے۔ مثلاً صادقین کے فنی نمونوں کی نمائش ہو تو رپورٹر صادقین کی مصورانہ خطاطی اور اس کے فن کی لطافتوں اور معاصرین کے ساتھ اس کے تقابل کو نظر انداز کر دے گا اور چند گول مول فقروں سے کام نکالنا چاہے گا۔ البتہ صادقین کی تصویریں جلی طور پر شائع کر دے گا، جن میں ان حسیناؤں کی تصویر بھی شامل ہوگی جو نمائش دیکھنے کے لیے آئیں اور فوٹوگرافر کی فرمائش پر کیمرے کی طرف منہ کر کے کھڑی ہوگئیں۔

فنون لطیفہ کے سلسلے میں رپورٹنگ کرنے والے صحافیوں کا فرض ہے کہ مختلف فنون میں مروجہ رجحانات سے باخبر رہیں۔ یہ خصوصیت غالباً سب سے زیادہ فنون کے شعبے ہی میں پائی جاتی ہے کہ فنکار نہایت تیزی سے اپنے اسالیب بدلتے رہتے ہیں، لیکن اس کے چند اسباب اور محرکات ہوتے ہیں۔ مقبول کرتے ہیں اور کمتر درجے کے فنکار ان کی نقل کرتے ہیں۔

یہ بات اکثر کہی گئی ہے کہ فنون لطیفہ زندگی کا آئینہ ہوتے ہیں ہم جس دور میں زندگی گزارتے ہیں اس کی آئینہ داری کسی اور سے زیادہ بڑی حد تک فنکار ہی کرتے ہیں۔ فنون لطیفہ کی رپورٹنگ کرنے والے صحافیوں کی ذمہ داری ہے کہ فنون کی دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھیں اور یہ دیکھیں کہ آج کے رجحانات کل کی دنیا میں فنون پر کس طرح اثر انداز ہوں گے۔

رجحانات کی نشاندہی

رجحانات کو پرکھنے کا طریقہ تو یہ ہے کہ پاکستان میں اور مغرب کے ملکوں میں ہونے والی تخلیقی کاوشوں اور ترقی کے مظاہر سے باخبر رہا جائے۔ اگر کوئی ایک فنکار کسی ایک اسلوب پر کام کر رہا ہے تو اسے رجحان کا نام نہیں دیا جائے گا البتہ اگر زیادہ تر موسیقاروں نے گیت گانے والی شوخ وشنگ لڑکیوں سے کام لینا شروع کر دیا ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک رجحان ہے۔ ویسے فنون لطیفہ پر لکھنے والے صحافی اور نقاد کبھی کبھی اتنی

اہلیت کے مالک ہوتے ہیں کہ جب وہ کسی رجحان کی نشاندہی کریں تو ان کے بیان کو درست مان لیا جائے۔ تاہم یہی بات اگر فنکاروں یا فن کے ماہروں میں سے کسی کی زبان سے ادا ہو صحافی کا بیان زیادہ وقیع سمجھا جائے گا، اور اس سے تحریر میں جان پڑ جائے گی۔

اگر آپ موسیقی کے شعبے کی رپورٹنگ پر مامور ہیں تو اپنے بیان کی تائید میں فنکاروں کے دعووں سے مدد لیجئے، کیونکہ ان کی کہی ہوئی بات زیادہ وقیع سمجھی جائے گی اور دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔ اگر کوئی رجحان سامنے آئے تو اس کی مثالیں بھی پیش کیجئے۔ موسیقاروں کے نام لیجئے، ان کے بینڈ کے حوالے دیجئے۔ صرف میوزیکل گروپوں سے بات کرنا کافی نہیں ہوگا، ان کے ریکارڈ تیار کرنے والوں سے بھی بات کیجئے، بلکہ ان اسٹور کے مالکوں سے جہاں ان کے ریکارڈ فروخت ہوں اور ان کے خریداروں سے بھی خیالات معلوم کیجئے۔ یہ پوچھئے کہ ان کے نغموں کی مقبولیت کا سبب کیا ہے؟

ایک صحافی نے جو کبھی آرٹس کے موضوع پر لکھتے تھے، مختصر طور پر پاکستانی ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے کچھ مشورے پیش کیے ہیں۔ ان کے یہ مشورے درج ذیل شعبوں کے لیے ہیں۔

موسیقی کی دنیا:

کون سے گروپ یا کون سے فنکار عوام میں مقبول ہیں اور وہ کون ہیں جن کے کیسٹ خوب فروخت ہو رہے ہیں، کون سے گروپ یا افراد ٹھنڈے جا رہے ہیں اور وہ کون ہیں جو بہت ''گرم'' ہیں۔ کون سے نئے ساز متعارف ہوئے ہیں۔ کیا گلوکار اپنے اسٹائل بدل رہے ہیں کیا گیتوں اور ترانوں میں کوئی تبدیلی آئی ہے اور وہ عشقیہ شاعری سے آگے بڑھے ہیں یا ابھی وہیں ہیں۔ پاکستان کے نوجوان راک موسیقار کون ہیں۔ کیا روایتی موسیقی اپنا اثر کھو رہی ہے اور اس کی جگہ مغربی پاپ موسیقی مقبول ہو رہی ہے؟

مصوری کی دنیا:

پاکستان کے سرکردہ مصور کون کون ہیں؟ ان کے موضوعات کیا ہیں؟ کراچی میں مصوری کا پیش منظر لاہور اور اسلام آباد سے اگر مختلف ہے تو وہ کس طرح مختلف ہے۔ کیا مصور اس شعبے میں اپنی روزی کما لیتے ہیں یا گزراوقات کے لیے انہیں کچھ دوسرے کام کرنے پڑتے ہیں کیا

وہ اپنی تخلیقات باہر کے ملکوں میں فروخت کر کے پیسہ کما لیتے ہیں؟ کیا وہ محسوس کرتے ہیں کہ صدر ضیاالحق کے دور کی بہ نسبت فی زمانہ انہیں زیادہ آزادی حاصل ہے؟ یاد رہے کہ یہی عنوانات مجسمہ سازوں، فوٹو گرافروں اور دوسرے فنکاروں کے سلسلے میں بھی کارآمد ہوں گے۔

تھیٹر:

آج کل کس طرح کے کھیل پروڈیوس کئے جا رہے ہیں اور کیوں؟ اردو اور انگریزی کھیل کا آپس میں کس طرح موازنہ کیا جا سکتا ہے؟ گذشتہ برسوں کے مقابلے میں آج تھیٹر کی صورت حال بہتر ہے یا پہلے سے بدتر ہے ملک میں تھیٹر نسبتاً زیادہ تعداد میں کیوں نہیں؟ کیا مذہب اور تعلیم دنوں تھیٹر کے فروغ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سینما:

فلم ڈائریکٹر کن خاص مسائل پر کام کر رہے ہیں؟ ہماری فلموں میں تشدد کا عنصر اتنا مقبول کیوں ہے؟ مضافات میں جہاں فلم کی صنعت بہت مقبول تھی، وہاں اب صورت حال کیا ہے؟

کیا ملک میں کوئی خود مختار فلمی تحریک موجود ہے؟ بہت سے نوجوان اور باصلاحیت پاکستانی ایکٹر اور ڈائریکٹر لندن کیوں چلاے گئے؟ سنجیدہ فلمیں بنانے والے فلم ساز کون ہیں؟ پاکستانی فلموں کا عام موضوع کیا ہے؟ مقبول عام اداکارائیں اور اداکار کون ہیں؟ کیا جس طرح کے کردار انہیں دیئے جاتے ہیں، وہ ان سے مطمئن ہیں؟

ٹیلیویژن:

پاکستان ٹیلیویژن کا معیار کمتر کیوں ہے؟ کیا اس پر کام کرنے والے ایکٹر اور ڈائریکٹر نیٹ ورک کے نظام سے غیر مطمئن ہیں؟ اس اصلاح کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟ ٹی وی کے لیے مسودوں کا انتخاب کون کرتا ہے؟ یہ فیصلہ کون کرتا ہے کہ مغرب کی کون سی فلمیں دکھائی جائیں؟ ان کے انتخاب کا معیار کیا ہے؟ کتنے فیصد لوگ بھارتی ٹی وی دیکھتے ہیں؟

ادب:

1980ء کے عشرے میں مصنفوں کی تخلیقات کے موضوع کیا ہیں؟ کیا اردو اور

انگریزی کی تخلیقات کے درمیان کوئی فرق ہے اور اگر ہے تو کیا ہے؟ سنسر شپ کے مسائل کیا ہیں؟ ہندوستان میں کتابیں نسبتاً ارزاں کیوں ہیں؟ کیا ناخواندگی کے خلاف جہاد میں مصنف حضرات کچھ اپنے خیالات رکھتے ہیں؟ کیا پاکستان میں مصنف اپنی کتابوں کی اشاعت کے سہارے گزر اوقات کرسکتا ہے؟ (غالباً نہیں)

کچھ دیگر رجحانات:

موسیقی فلموں پر، فلمیں تھیٹر پر اور تھیٹر مصوری پر کس طور اثر انداز ہو رہے ہیں اسی طرح مصوری ادب پر کس طرح اثر ڈال رہی ہے؟

1980ء کے عشرے میں فنون لطیفہ کے مختلف شعبوں کے تخلیق کاروں کے درمیان اشتراک عمل کا رجحان پایا گیا ہے، اس کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہوسکتا ہے۔

فنون لطیفہ کے بارے میں لکھنے والا ایک بالغ نظر صحافی آئندہ برسوں میں اس موضوع پر طبع آزمائی کرے گا کہ مارشل لاء کے دور میں مختلف فنون کی صورت حال کیا تھی اور اب جمہوریت کے دور میں کیا ہے؟ اس تجزیے سے ظاہر ہوگا کہ فنکار نئے اور ولولہ انگیز تصورات اور تجربات کو بروئے کار لانے کے لیے کیا اپنی آزادی کو بخوبی استعمال کر رہے ہیں یا ان کے یہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

تحقیقی مضامین:

تحقیقی مضامین کے موضوع پر گزشتہ باب میں بحث کی جا چکی ہے لیکن یہاں یہ بات واضح کر دی جائے کہ ایسے مضامین فنون لطیفہ کے بارے میں بھی لکھے جا سکتے ہیں۔ فنون لطیفہ کی رپورٹنگ میں ان طریقوں کا استعمال عام نہیں ہے۔ تاہم رپورٹنگ کے فن میں بہرحال ان کی ایک حیثیت ہے۔

ایک رپورٹر ان طریقوں کے بارے میں اطلاعات حاصل کرسکتا ہے کہ حکومت مختلف آرٹ گروپوں کو سرمایہ کس طرح فراہم کرتی ہے اور اس کے نتائج کا موازنہ تیسری دنیا کے دوسرے ملکوں اور مسلمان ملکوں کے ساتھ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ رپورٹر کی نگاہ اس امر پر بھی ہونی چاہیے کہ سرمایہ کسے اور کیوں ملتا ہے، پھر یہ کہ روپیہ خرچ بھی ہوتا ہے یا اوپر ہی اوپر خورد برد کر دیا جاتا ہے۔ کیا بعض گروپوں کو سرمائے کی فراہمی میں سیاسی

مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔

سیاسیات اور فنون لطیفہ کے شعبوں میں چھان بین ایسے معاملات ہیں، جن سے بہت سے لوگوں کو دلچسپی ہوگی۔ کیا سیاست دان فنون لطیفہ سے کچھ شغف رکھتے ہیں؟ اور کیا انہیں شغف رکھنا چاہیے؟ مثال کے طور پر لاہور کا الحمرا آرٹس سنٹر کس طرح کام کرتا ہے؟ یہ کون طے کرتا ہے کہ وہاں کس شے کی نمائش ہونی چاہیے اور کسے آنا چاہیے۔ اس کے تھیٹر اکثر خالی رہتے ہیں تو پھر ان میں زیادہ ''شو'' کیوں نہیں ہوتے؟ جب اس سنٹر میں کسی فنی مظاہرے کا اہتمام ہوتا ہے تو یہاں آنے والے نوجوانوں کا ردعمل اس قدر طفلانہ کیوں ہوتا ہے۔ (اور عام فنون کی نمائش کے موقع پر لاہور میں ذہنی ناپختگی کے جو مظاہر میری نظروں سے گزرے ہیں۔ وہ کہیں اور نظر نہیں آئے)

1988ء کے اواخر میں لاہور کے نیشنل کالج آف آرٹس کو بند کردیا گیا (یہ کالج اب کھل چکا ہے) آرٹس کے رپورٹر کے لیے یہ ایک بڑی خبر ہوسکتی تھی۔ یہ کالج کیوں بند ہوا؟ اس سلسلے میں کون سے مسائل موجب اختلاف بنے ہوئے تھے؟ طلباء اور انہیں درس دینے والوں کے درمیان یہ عناد کیوں؟ ماضی کے وہ کون سے واقعات تھے جو بالاخر کالج کی بندش پر منتج ہوئے؟ ایک اس سے بری خبر پاکستان میں آرٹس کی تعلیم کے موضوع پر لکھی جاسکتی ہے۔

جب بھی کوئی اہم آرٹس گروپ بند ہوتا ہے، یہ ایک بڑی خبر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں رپورٹر ان کے مالی مسائل، فنی مشکلات، معاشرے میں آرٹس کے لیے بے توجہی اور گروپ کے ساتھ تعاون کی کمی، یا جو بھی اسباب پیدا ہوں، ان کے تذکرے سے اپنی خبر مرتب کرسکتا ہے۔ فنون لطیفہ کی دنیا میں تفتیش اور تحقیق پر مبنی مضامین لکھے جانے کی بڑی گنجائش موجود ہے۔

ناقدانہ تبصرہ:

فنون لطیفہ پر رپورٹنگ کا سب سے دشوار حصہ، اس پر ناقدانہ تبصرہ ہے۔ اخبارات کے عملے میں بمشکل چند ہی لوگ اس قابل ہوں گے جو اپنی رپورٹ میں تنقیدی بصیرت سے کام لیں۔ فلمی مبصر شہر کی زیر نمائش فلموں پر ہفتہ وار تبصرہ لکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اخبار میں اشاعت کے لیے کچھ فیچر دیتا ہے۔ موسیقی کے مبصر کا کام بھی کچھ اسی

نوعیت کا ہے۔ وہ آپس میں اپنے فرائض کا تبادلہ نہیں کریں گے، تاہم یہ اس صورت میں ممکن ہے جب عملہ تعداد میں بہت کم ہو۔ پاکستان میں صورت حال کچھ ایسی ہی ہے۔ یہاں مختلف تقریبات پر تبصرہ کرنے کے لیے رپورٹر آپس میں فرائض کا تبادلہ کرلیتے ہیں۔

تبصرہ، کسی مصنف کی ذاتی رائے ہوتی ہے۔ اس کا کام اداریہ نویس یا ادارتی کالم نگار سے مختلف ہوتا ہے، جو اپنے موقف کی تائید میں ماہرین کے بیانات اور اعداد وشمار پیش کرتے ہیں لیکن کا نقاد اپنی بصیرت، جبلت اور انصاف کی حس پر اور ایسی شہادت پر اعتماد کرتا ہے، جس کے حق میں اور جس کے خلاف بھی شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مبصر اعداد وشمار پیش کرنے کی بجائے اپنے نقطہ نظر کی صراحت کے لیے زیر تبصرہ فن پارے سے مثالیں پیش کرتا ہے۔ ایک ایکٹریس نے کسی فلم میں کمزور اداکاری کی کیونکہ اس کا کام سطحی تھا، یہ تو ایک رائے ہوئی، لیکن ایک نقاد یا مبصر اس ایکٹریس کی مجموعی کارکردگی کا جائزہ فن کی گہرائیوں میں جا کرلے گا، کیونکہ اس کی کارکردگی نے فلم کو شاندار بنادیا ہے۔

تبصرہ نگاری میں ایسا اکثر ہوتا ہے کہ بری فلموں اور بری کتابوں پر تبصرے بھی برے شائع ہوتے ہیں۔ تخلیق نہایت ہی شاندار ہو یا انتہائی بری ہو تو دونوں صورتوں میں تنقید کی سطح پر کچھ اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن مختلف ناقدوں کی تحریروں میں اگر مماثلت ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے ایک دوسرے کی نقل کی ہے۔ اس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ فن معیار کے سلسلے میں ان کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے۔

ناقدانہ تحریر میں اظہار رائے کے علاوہ بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک تو تحریر میں مہارت درکار ہے، دوسرے جو بھی رائے قائم کی جائے وہ وقیع اور پختہ ہو، تبصرہ نگار کی نظر تمام تفصیلات پر ہو، دماغ میں تجزیہ کرنے کی صلاحیت ہو، اپنے موضوع سے گہری آگاہی ہو، فنون لطیفہ سے فطری طور پر شغف بھی ہو۔ اگر یہ تمام خصوصیات یکجا ہوں تو لکھنے والے کے لیے تنقید ایک نہایت پرلطف دانش ورانہ چیلنج ہوگی اور پھر اس کی تنقید بصیرت افروز ہونے کے علاوہ ممکن ہے کہ آزادانہ حد تک کھری کھری ہو۔ ایک مبصر، کسی فنی تخلیق سے جو ردعمل قبول کرتا ہے اس کی وضاحت کے دوران میں ہی بہت کچھ اپنے آپ سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔

لیکن اس سے پہلے کہ خراب فنی نمونوں کو رد کیا جائے اور دوسرے درجے کے

فنکاروں کو تنقید کے خنجر سے لہولہان کیا جائے ، نقادوں یا مبصروں کو ناقدانہ تحریر کے کچھ ضوابط سے واقف ہونا ضروری ہے۔

ذمہ داریاں

نقادوں یا مبصروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ کسی فنی شعبے کے بارے میں لکھنے سے پہلے اس سے بخوبی واقفیت پیدا کریں۔ اگر کسی شخص نے کبھی فلم نہیں دیکھی تو وہ ایک روز بیٹھے بیٹھے فلم پر تبصرہ کرنے کا فیصلہ نہیں کرسکتا۔ اس شعبے سے جس کے متعلق وہ لکھنا چاہتا ہے واقفیت بہرطور ضروری ہے، ہاں اگر اس شعبے سے محبت ہوتو اور بھی اچھا ہے۔

مبصر کا اپنے متعلقہ شعبے سے واقف ہونا ہی دانش مندی نہیں بلکہ اس کی تاریخ سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے۔ فلمی نقاد نہ صرف یہ کہ صنعت فلم سازی کی تاریخ سے واقف ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہالی وڈ میں فلم سازی کب شروع ہوئی اور اس نے عالمی سطح پر ایک فنی ابلاغ کا درجہ کب حاصل کیا۔ وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں کہ فلموں کے اثرات معاشروں پر کتنے گہرے ہوتے ہیں۔ وہ اتنی کثرت سے فلمیں دیکھ چکے ہوتے ہیں کہ مختلف فلموں کے درمیان نہایت نازک فرق کو بھی سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ رومانوی اور حقیقت پسندانہ فلموں کے درمیان کیا فرق ہے اور ایک عام سنسنی خیز فلم ،مزاحیہ فلم سے کس طرح مختلف ہوتی ہے۔

اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونا جو ایک مبصر پر عائد ہوتی ہے، نہ صرف اس لیے ضروری ہے کہ فنکار اپنے فن پر منصفانہ اظہار خیال کے لیے اہل اور باخبر لوگوں کے ناقدانہ تبصرے اور اس بنا پر قرار واقعی احترام کے مستحق ہیں بلکہ نقادوں کے احترام کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ ان کی رائے کو لاعلمی پر مبنی نہایت سطحی اور سپاٹ نہ سمجھا جائے۔ مبصر آخر صحافی ہوتے ہیں۔ بہت سے فلم سازی کے فن کے عالم، تھیٹر اور ادب کے فاضل اس بات کو سخت ناپسند کرتے ہیں کہ ان کی کارکردگی کے محاسن پر وہ صحافی رائے دیں جو مناسب علمی پس نظر نہیں رکھتے اور فنی مسائل پر رائے دینے کے اہل نہیں۔ اگر آپ ایک مبصر بننے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس کمزوری کو آپ کے راستے میں حائل نہیں ہونا چاہیے۔ امریکہ میں فلموں کے معروف ترین مبصر راجر ایبرٹ نے ایک اعلیٰ درسگاہ میں فلسفے کی تعلیم حاصل کی تھی۔ مصنف اور ڈرامہ نگار برنارڈ

شانے چند سال تک بصری فنون پر مضامین لکھے اور اس نے ایک باخبر اور چابکدست مبصر کی حیثیت سے اپنا لوہا منوا لیا، حالانکہ اس نے متعلقہ فنون کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ مذکورہ دونوں افراد اور انہی کی طرح سینکڑوں خواتین و حضرات، بہترین ناقد فن کی حیثیت سے بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں، حالانکہ مختلف فنون میں انہوں نے درسی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اس کے باوجود ان میں اپنے موضوع سے محبت پائی جاتی تھی اور آزادانہ طور پر سالہا سال کے مطالعہ نے انہیں اس قابل بنا دیا کہ ناقدانہ جائزہ اعتماد کے ساتھ تحریر کر سکیں۔ ایسی قلمی کاوش کے لیے ان کے اندر ایک مضبوط بنیاد تیار ہو چکی تھی۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اعلیٰ علمی تربیت کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اعلیٰ علمی استعداد، فنون لطیفہ کی تفہیم اور مزید علوم تک رسائی کی راہ ہموار کر دیتی ہے۔

کسی فن پارے کی قدر و قیمت کا تعین

ہم کسی فن پارے کی اہمیت کا اندازہ کس طرح کرتے ہیں؟ نہایت احتیاط کے ساتھ۔ دنیا میں ہر جگہ ایک فن پارے کی تخلیق میں چند ماہ سے لے کر چند سال تک کی محنت کارفرما ہوتی ہے اور اگر وہ فنی تخلیق معیاری ہے تو اس سے فنکار کی زندگی اور اس کے تجربات کی جھلکیاں نظر آئیں گی۔ فطری بات ہے کہ ایسی تخلیق پر تنقید کے سلسلے میں فنکار بہت حساس ہوگا۔ اپنی تخلیق کو (اور وہ کوئی فلم کتاب، پینٹنگ، کوئی گیت یا کھیل ہو سکتی ہے) شائقین کے سامنے رکھنے کے بعد فنکار یہ توقع کرنے لگتا ہے کہ اس کی اہمیت تسلیم کی جائے گی اور اس کے معیار کو پرکھا جائے گا۔

فنی تخلیق معیارات کا تقاضہ کرتہ ہے۔ ہر فن پارے پر ایک ہی معیار کو نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر فنکار شہکار تخلیق نہیں کرتا۔ اسی طرح اساتذہ نے فنی تخلیق کے جو معیار قائم کئے ہیں، بہت کم فنکاروں کے فن کو اس معیار پر پرکھا جا سکتا ہے۔ کسی فنی تخلیق کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے سے پہلے فنکار کے مقصد اور اس کے فنی امکانات کو دیکھنا ہوگا۔

ہر مبصر فن پاروں پر تبصرے اور تنقید کے لیے خود اپنے معیارات متعین کرتے ہیں، اس سلسلے میں درج ذیل عوامل کو بالعموم پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

فن کا درجہ:

ایک سنسنی خیز جاسوسی ناول کا موازنہ خدیجہ مستور یا عبداللہ حسین کے ناولوں کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر کوئی جاسوسی ناول اپنی سطح سے بلند ہو کر ادب کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے تو مبصر کے لیے لازم ہے کہ اپنے تبصرے میں کتاب کے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالے اور اگر مصنف یا مصور اس بات کا تقاضہ کرے کہ اس کی تخلیق کو بہتر معیار سے پرکھا جائے تو مبصر کو کوئی ایسا معیار قائم کر لینا چاہیے (حالانکہ کوئی ایسا معیار مرتب کرنا خاصا مشکل ہوتا ہے، تاہم چند ماہ کی مشق سے مبصر ایسا معیار وضع کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ایک مار دھاڑ سے بھرپور فلم کا موازانہ اگر آرٹ فلم سے کیا جائے تو اس سے نہ ڈائریکٹر کو کوئی فائدہ ہوگا اور نہ قارئین اس سے مطمئن ہوں گے۔

ماضی کے فن پاروں سے موازنہ:

یعنی یہ دیکھنا چاہیے کہ فنکار کی موجودہ محنت، اس کی ماضی کی کوششوں کے مقابلے بھی کتنی وقیع یا کتنی کم وقعت ہے۔فن کے نقاد فنکاروں کا موازنہ، نہ صرف یہ کہ ان کے شعبے میں کام کرنے والے دوسرے فنکاروں سے کرتے ہیں بلکہ ایک فنکار کا موازنہ خود اس کے ماضی سے بھی کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کیا کوئی فنکار اپنے مقام سے کھسک رہا ہے؟ کیا وہ فنی اظہار کی نئی راہیں تلاش کر رہا ہے؟ کیا اس کا فن جامد ہو گیا ہے کیا وہ ایک مقام پر آ کر رک گیا ہے اور خالص پیشہ ورانہ انداز سے ایک ہی طرح کی تخلیقات دھڑا دھڑ سامنے لا رہا ہے، جو اس کی ماضی کی تخلیقات کے مقابلے میں نہ بہتر ہیں اور نہ بدتر ہیں۔ (یہ بھی ایک نمایاں کامیابی ہے۔ کیونکہ زیادہ تر فنکار بالاخر اپنے مقام سے کھسک کر زوال کی طرف جانے لگتے ہیں)۔

فنکار کا مقصد:

اگر ایک فنکار آسمان کو چھو لینے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کوشش میں اوندھے منہ گر پڑتا ہے تو مبصر کو یہ بات رکھنی چاہیے۔ اگر سنجیدہ افسانوی ادب تخلیق کرنے والا مصنف ایک مزاحیہ ناول لکھنے کا فیصلہ کرتا ہے تو مبصر کی یہ خواہش ہوگی کہ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ مختلف طریقے سے کرے۔ ہر موسیقار یا مصور معرکے کا فنکار نہیں ہوتا اور نہ ہمیشہ شہکار تخلیق کرتا ہے۔ اگر فنکار کسی نئے موضوع کی تخلیق کرتا ہے، جو بہر طور پر ایک قابل

ستائش بات ہوگی تو نقاد کی خواہش ہوگی کہ اس کا موازنہ وہ فنکار کے پرانے کام سے کرے، لیکن اس نئے کام کو یکسر مسترد کر دینے سے پہلے اسے بہت سوچنا پڑے گا۔ اگر یہ نیا تخلیقی تجربہ کامیاب ثابت نہیں ہوا تو نقاد کی یہ ذمہ داری ہے کہ قارئین کو اس سے باخبر کرے۔ قرۃ العین حیدر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہر مرتبہ جب ان کی کتاب شائع ہو تو وہ ''آگ کے دریا'' کے معیار کی ہو اور نہ شاید وہ ایسا چاہیں گی۔ نقاد یہ بات سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ ان کی بعد کی تخلیقات کو پرکھتے وقت یہ بات پیش نگاہ رکھتے ہیں۔

ایک سال کے دوران میں لکھنے والے معاصرین کے درمیان تقابل:

فنون لطیفہ کے لیے ہر سال اچھا ثابت نہیں ہوتا یعنی ضروری نہیں کہ ایک تخلیق ہر سال ہمیشہ محض اس لیے سرفہرست رہے کہ پہلے رہ چکی تھی۔ جو تخلیق 1988ء میں بہترین نظر آئی وہ شاید 1986ء میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ کسی نقاد کو اگر مقبولیت کے پیمانے کی تلاش ہو تو اسے چاہیے کہ سال گذشتہ کے آخری چھ ماہ کے دوران میں سامنے آنے والے کسی فن پارے کو سامنے رکھ لے اور نئے سال کے فن پاروں سے اس کا موازنہ کر لے۔ جوں جوں دسمبر کا مہینہ قریب آئے گا، اس کا محاکمہ درست تر ثابت ہوتا نظر آئے گا۔

اپنے آپ سے پوچھیے:

آخر میں مبصر یا تنقید نگار کو ایک سادہ سا سوال اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے۔ کیا یہ فن پارہ مجھے پسند ہے؟ اور پھر یہ سوال کہ یہ مجھے کیوں پسند یا ناپسند ہے؟ یہی سوالات تبصرے کی نبیاد بنتے ہیں۔

مذکورہ بالا تجاویز میں نئے فنکاروں کی تخلیقات کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے۔ نئے فنکاروں (مصوروں) کا تقابل ان کے معاصرین یا ان سے پہلے کے فنکاروں سے کیا جاتا ہے۔ صفدر اور کولن ڈیوڈ نامور مصور ہیں، ان کے فن پر کچھ لکھتے وقت ان کے معاصر مصوروں کی تخلیقات کو سامنے رکھنا چاہیے، مثلاً انور جمال شمزہ جواب ہم میں نہیں اور زبیری سسٹرز۔

تبصرہ نگاری

تبصرے میں خبر کے تمام عناصر موجود ہوتے ہیں۔ اسٹیج ڈرامے پر تبصرہ کرتے

وقت مبصر یہ ضرور بتاتا ہے کہ اسے کہاں کس اسٹیج پر پیش کیا گیا، کس کمپنی یا گروپ نے اسے پیش کیا، اسے کس روز اور کس طرح پیش کیا گیا۔ ہر تبصرے میں پلاٹ کا خلاصہ مختصر طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ہاں مصوری کی نمائش میں ایسا نہیں ہوتا -- پھر نمایاں کرداروں کا تعارف درج کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ تبصرے بھی ڈائریکٹر نمائش گاہ کے منتظم، اداکار اور اداکاراؤں، اگر کتاب پر تبصرہ ہے تو اس کے پبلشر اور کنسرٹ ہے تو اس کے پروموٹر اور اگر کوئی اور شخص اس سے متعلق ہے تو اس کا نام بھی ضرور بتایا جاتا ہے۔ ہر تبصرے میں ان بنیادی باتوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ اگر وہ کوئی بصری فن ہے تو اس کی رعایت سے تبصرے میں یہ ساری معلومات فراہم کی جاتی ہیں، یعنی پلاٹ کا خلاصہ، چاروں ک، (کہاں، کب، کیوں اور کیسے) کے جوابات اور کرداروں اور عملے کے ارکان کا تعارف۔ اس کے علاوہ تبصرے کا ایک مقررہ ڈھانچہ یا خاکہ ہوتا ہے، یعنی اس کا ابتدائیہ، وسطی حصہ اور اختتامیہ۔

ابتدائی پیراگراف

مبصر کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کا پہلا پیراگراف خاص طور پر پرکشش ہوتا کہ قاری اسے پڑھنے کی طرف بے اختیار مائل ہو۔ اس کا آغاز کسی فلمی منظر کی منظرکشی یا عام موضوع کے بیان سے ہوسکتا ہے ایک ایسے ابتدائیے کی مثال روزنامہ ''مسلم'' (اسلام آباد) میں مطبوعہ ایک ستارنواز کے بارے میں تبصرے سے پیش کی جاسکتی ہے۔ ''چار ہفتے کے مختصر عرصے میں، میں نے نوجوان اشرف شریف خاں کو ستار بجاتے ہوئے دوسری بار دیکھا، ایک ستارنواز کی حیثیت سے اس کی مہارت اور فن پر دسترس کسی بھی استاد کا طرۂ امتیاز ہوسکتی ہے۔ اس نے اپنا فنی مظاہرہ پہلی مرتبہ شاکر علی میوزیم میں اور دوسری مرتبہ الحمرا آرٹس کونسل لاہور میں کیا اور حاضرین جی بھر کے محظوظ ہوئے'' (مسلم، 26/اکتوبر 1990ء)

کتاب پر تبصرے کے سلسلے میں ابتدائیے کی صورت یہ ہے کہ اس میں فلسفے یا تاریخ کے علم کی چاشنی شامل کی جائے۔ اس سے تحریر میں متانت اور تفکر کا عنصر پیدا ہوتا ہے۔ اردو اخبارات میں کتابوں کے تبصرے کا شعبہ بے توجہی کا شکار ہے۔ بعض اخبارات جو کتابوں پر تبصرے شائع کرتے تھے، اب اس فریضے سے دست کش ہو چکے ہیں۔ کچھ دوسرے اخبارات بس کبھی کبھار تبصرے شائع کرتے ہیں، وہ بھی محض ان

کتابوں، کتابچوں، جنتریوں، ڈائریوں اور دینی نوعیت لٹریچر پر جو بذریعہ ڈاک دفتر میں موصول ہوتے ہیں۔انہیں تبصرے کے لیے منتخب کرتے وقت کسی معیار کی بجائے دوستانہ یا کاروباری مراسم کو ترجیح دی جاتی ہے، اور کتاب کا سرسری تعارف کرانے کے بعد اس کی ستائش میں اکثر زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے جاتے ہیں۔ بہت کم اخبارات ہیں، جو کتابوں پر تبصرے کو ایک سنجیدہ اور ذمہ دارانہ فریضہ سمجھتے ہیں اور اسے محض ستائش تک محدود نہیں رکھتے یا تمسخر اور تنقیص کا ہدف نہیں بناتے۔ایک اچھے تبصرے کا ابتدائیہ کیسا ہونا چاہیے اس سلسلے میں ایک مثال مہرالنساء علی کی کتاب بہ عنوان ''پاک افغان ڈسکارڈ'' پر روزنامہ ڈان کا تبصرہ ہے۔مبصر نے لکھا ''اب سے ٹھیک دوسو سال پہلے ایشیاء کے نقشے پر درانی قبیلے کے ایک سردار احمد شاہ ابدالی نے ایک نئی سلطنت کی لکیریں کھینچیں، جس نے بعد میں افغانستان کا نام پایا۔زار روس اور برطانوی ہند کے درمیان اگر اس سلطنت کا محل وقوع اتنا اہم نہ ہوتا تو آج یہ ملک عالمی تاریخ میں اس قدر امتیازی حیثیت کا مالک بھی نہ ہوتا۔'' اگرچہ یہ کتاب پاک افغان تنازعے کے موضوع پر ہے۔لیکن اس کے تبصرے میں افغانستان کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے قارئین کو موضوع کی اہمیت سے روشناس کرایا گیا ہے۔تاریخی اہمیت کا حوالہ ناولوں اور افسانوی مجموعوں پر تبصرے کے دوران میں بھی آسکتا ہے کیونکہ یہ بھی تاریخی اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں ایسے ناولوں میں خدیجہ مستور کا ناول ''آنگن'' اور عبداللہ حسین کا ناول ''اداس نسلیں'' قابل ذکر ہیں۔

کسی فن پارے یا فنی تقریب کی خبر یا تبصرے کا ابتدائیہ سیدھا اور سپاٹ بھی ہو سکتا ہے، خاص طور پر اس لیے کہ مبصر کے پاس وقت کم اور کاپی پریس میں روانگی کے لیے تیار ہو۔ مثلاً ایک اسٹیج ڈرامے پر تبصرے کا یہ ابتدائیہ ''لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائینسز کے طلبہ نے اتوار کی رات کو امریکن سنٹر میں شوقیہ اداروں کے طور پر والیٹر کی ڈرامائی تشکیل پیش کی۔''

یہ کوئی پرکشش ابتدائیہ نہیں، لیکن اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ کون سا ڈرامہ کن لوگوں نے کب اور کہاں پیش کیا۔ظاہر ہے کہ یہ تبصرہ عین اس روز شائع کیا گیا، جب ایک رات پہلے اسے اسٹیج کیا جا چکا تھا۔ اس لیے تبصرے کی اشاعت سے کوئی کاروباری ضرورت یعنی ٹکٹ کی فروخت میں اضافہ کی خواہش وابستہ نہ تھی۔

ہر اچھے ابتدائیے کا مقصد قاری کی توجہ حاصل کر کے اسے مکمل تبصرہ پڑھنے پر آمادہ کرنا ہوتا ہے اور یہ کام وہ مہارت اور چابک دستی سے کرتا ہے۔ ابتدائیے کے بعد متن کا خلاصہ پھر کرداروں پر گفتگو اور آخر میں پوری تخلیق پر تبصرہ، خواہ وہ کتاب ہو، تھیٹر ہو یا کوئی فلم، یہ ہے تبصرے کا مروجہ طریقہ۔ بات اس طرح تو نہیں شروع کی جاتی کہ ''فلم مجھے اچھی نہیں لگی۔'' یہ فقرہ پڑھنے کے بعد قاری اسے یہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جائے گا۔

ادب ہو، فلم ہو یا ٹی وی پروگرام، اس پر ایک اچھے تبصرے کے لیے ضروری ہے کہ متن میں اس کے پلاٹ کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ اگر موسیقی کا پروگرام ہو تو اس سے متعلق معلومات مہیا کر دینی چاہئیں، مثلاً راگ کون سا ہے، دھن کس نے ترتیب دی ہے، ساز کون سا ہے اور سازندوں میں نامور فنکار کون سے ہیں اور موسیقار کا تعلق کس نامور گھرانے سے ہے۔ متن کی عبارت میں یہ تمام معلومات خوبصورتی کے ساتھ سمو دی جاتی ہیں۔ یہ سارا عمل کس طرح روبہ عمل آتا ہے، اسے سمجھانا مشکل ہوتا ہے اور کر کے دکھانا اور زیادہ مشکل۔

بہت سے مبصروں کا طریقہ ہے کہ پلاٹ کا خلاصہ بیان کرنے اور اصل تبصرہ لکھنے سے پہلے، چند تعارفی پیراگراف ابتدائے کے طور پر لکھتے ہیں۔ عام طور پر کسی کھیل کا خلاصہ، کسی فنی نمائش کی تفصیل یا موسیقی کے کسی کیسٹ کا تعارف لکھنے میں، پانچ چھ یا شاید اس سے کچھ زائد پیراگراف صرف ہوتے ہیں۔ نقاد کے لیے یہ ممکن ہے کہ پلاٹ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے جگہ جگہ اپنی رائے بھی دیتا جائے یا مختلف آراء کو اس وقت تک کے لیے روکے رکھے جب تک وہ پورے پلاٹ کا خلاصہ بیان نہیں کر لیتا۔ بہر حال یہ دونوں ہی طریقے کارآمد ہیں۔ مبصر مختلف ریویو میں مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔

بعض مبصر فلم کے مختصر تبصرے میں فلم کا تجزیہ کرتے ہوئے، اس میں اداکاروں کی کارکردگی، فلم کی کوتاہیاں اور اہم نقادوں کی آراء سبھی کچھ پیش کر دیتے ہیں۔ مختصر عبارت میں زیادہ سے زیادہ معلومات اور نپی تلی رائے دینے کا یہ سلیقہ مدتوں کی کاوش اور تجربے سے پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں فلمی تبصروں میں اداکاروں کے نام نہیں بلکہ کرداروں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ طریق کار ہے۔ جو بالعموم ہر جگہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

کتاب کا ایک اچھا تبصرہ نگار اپنی رائے میں معتدل مزاج اور محتاط ہوتا ہے، اس کی نظریں کتاب کے متن کا بخوبی احاطہ کرتی ہیں اور گہرائی میں اتر کر ایسی خوبیوں یا خامیوں کی

نشاندہی کرتی ہیں، جن کا اندازہ عام لوگوں کو نہیں ہوتا۔ کسی فنکارانہ تخلیق کے داخلی حسن کا احاطہ کرنا اور اس کی جمالیاتی قدر و قیمت سے قارئین کو آگاہ کرنا تبصرہ نگار کی ذمہ داری ہوتی ہے، تاہم ایک اچھا مبصر اپنی بات کو قارئین تک لطیف اشاروں میں پہنچاتا ہے دراصل اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ قارئین پر اپنی رائے ٹھونسنے کی بجائے، تمام ضروری حقائق فراہم کر دے اور آخری فیصلے کا اختیار قارئین پر چھوڑ دے۔ مثال کے طور پر ''پاک افغان ڈسکارڈ'' نامی کتاب کے تبصرے میں مبصر نے کتاب کی مصنفہ کا واجبی تعارف اور کتاب کے متن کا چند سطری خلاصہ پیش کرتے ہوئے اپنی تحریر اس عبارت پر ختم کی ہے۔ ''......قیام پاکستان سے پہلے کے 92 سال کے تاریخی حوالوں کے ضمن میں صرف 27 دستاویزات پیش کی گئی ہیں ان میں بعض نادر معاہدوں کا متن بھی شامل ہے۔ ان میں سب سے دلچسپ ڈیورنڈ لائن کے وہ سات نقشے بھی ہیں، جو لندن کی انڈیا آفس لائبریری سے حاصل کئے گئے۔ کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ ان کے لیے دستاویزات کا انتخاب با مقصد اور مصنفانہ انداز سے کیا گیا ہے۔ اور اس میں افغان حکومت کے نقطۂ نظر کی بھی مناسب نمائندگی نظر آتی ہے۔ اس طرح قارئین کو یہ سہولت ہوگی کہ اپنے نتائج خود اخذ کریں۔''

مبصر کے یاد رکھنے کی باتیں

- کیا میں شہر کے مختلف آرٹ گروپوں کے پروگرام کو بغور ذہن نشین کر لیا ہے؟
- کیا میں نے فنون لطیفہ کی مختلف ایجنسیوں سے رابطہ پیدا کر لیا ہے؟
- کیا میں نے شہر میں آئندہ ہونے والی تقریبات کے بارے میں خبریں تیار کر لی ہیں اور ٹیلیفون پر انٹرویو کا وقت طے کر لیا ہے؟
- جن لوگوں سے انٹرویو کرنا ہے، کیا میں نے ان کے بارے میں اور جو خبریں لکھنی ہیں، ان کے متعلق کافی تحقیق کر لی ہے؟
- جو رجحانات رونما ہو رہے ہیں۔ کیا میں ان سے باخبر رہتا ہوں اور ان کے بارے میں لکھتا ہوں؟
- فنون لطیفہ سے متعلق موضوعات پر کیا میں نے تحقیقی اور تفتیشی کام کیا ہے اور اس ضمن میں کوشش کرتا رہتا ہوں۔

- میں نے جو تنقیدی کام کیا ہے' ان میں میرے فیصلوں کی بنیاد کیا میرے علم اور خبر پر ہے اور کیا میں اپنی تنقید میں فنی نمونوں سے مناسب مثالیں پیش کرتا ہوں؟
- کیا اپنے تبصروں میں پلاٹ کی تلخیص پیش کرنا مجھے یاد رہتا ہے؟
- کیا قارئین مجھ سے شدید اختلاف کرتے ہوئے خط لکھتے رہتے ہیں؟

چند آخری الفاظ

پاکستان کی تاریخ میں آنے والے سال نہایت درجہ پرکشش ثابت ہوں گے۔ جیسا کہ حالات شاہد ہیں' دیگر جمہوری آزادیوں کے ساتھ' ذرائع ابلاغ کی آزادی کو بھی فروغ حاصل ہوگا' اخبارات وجرائد کو اگر آج چند پابندیوں کا احساس ہورہا ہے تو آئندہ وہ پابندیاں بھی نہیں رہیں گی' ملک کے اندر نئی نئی مطبوعات کا سیلاب آجائے گا اور قارئین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری ہے کہ اس نئی آزادی کا خیر مقدم کریں' وہ اس طرح کہ صحافیوں کی تربیت کا اہتمام کریں تاکہ وہ پوری صداقت' صحت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ خبریں فراہم کریں۔ بہتان طرازی اور سنسنی خیزی سے ممکن ہے اخبارات کی چند کاپیاں زائد فروخت ہو جائیں لیکن موجودہ انقلاب آفریں مرحلے میں' صحافت میں جو تبدیلیوں کا امکان ہے' اسے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ جواں سال اور پختہ کار دونوں طرح کے صحافیوں کو یہ بات بتا دینی چاہیے کہ خبروں کے نوٹس لینے کے لیے کاغذ کے پیڈ اور گفتگو کو ریکارڈ کرنے کے لیے ٹیپ ریکارڈر استعمال کریں اور یہ کام کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان کے ذہن پہلے سے مرتب کردہ تصورات اور تعصّبات سے آزاد ہوں۔ لکھتے وقت جہاں تک ممکن ہو' ان کے ذہنوں میں گزشتہ تصورات کی پرچھائیوں نہ ہوں۔ ایک توانا اور صحت مند پریس کی یہی پہچان ہے کہ اس میں مسائل ومعاملات کی اشاعت پوری صداقت کے ساتھ ہو۔

تبدیلی کا عمل اگر خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رہا تو ایسے میں ملک کے رپورٹروں کو میرا یہ مشورہ ہے کہ ملکی اداروں کے بارے میں چھان بین اور ان کی کارکردگی کو پرکھنے کا کام شروع کردیں۔ قومی اور انتظامی اداروں سے عام لوگوں کی توقعات بڑھ رہی ہیں' اب حکومت پر ہر طرف سے زور دیا جارہا ہے کہ رشوت اور بد دیانتی کا خاتمہ

کرے، منشیات کے استعمال کو روکے پیدائش میں اضافے کی شرح پر قابو پائے، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا تدارک کرے، عوام کو افلاس سے نجات دلائے۔ یہ تو وہ چند موضوعات ہیں جو بطور مثال پیش کئے گئے۔ اب امید کی جاتی ہے کہ رپورٹر آئندہ تمام واقعات کو سیاسی پارٹیوں کے علاوہ حکومت کے دباؤ سے پوری طرح آزاد ہو کر بے کم و کاست بیان کر سکیں گے۔ غالباً ایک آزاد معاشرے میں یہ خواہش پیدا ہو گی، بلکہ صحافیوں میں یہ خواہش فزوں تر ہو گی کہ فنون لطیفہ، تجارت اور کاروبار کی دنیا میں ان سرگرمیوں پر زیادہ سے زیادہ لکھیں جن سے تخلیق کے عمل میں اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان میں سیاسی رپورٹر بکثرت موجود ہیں جو سیاست دانوں کے روکھے پھیکے بیانات کو چبائے ہوئے نوالوں کی طرح اخبار میں اگلتے رہتے ہیں۔ اچھا ہو گا کہ ملک کو کچھ اور رپورٹر میسر آئیں جو وسیع دلچسپی اور مفاد عامہ کے موضوعات کا احاطہ کریں۔

رپورٹر جب کہیں کوریج کے لیے جائیں تو یاد رکھیں کہ وہی خبر رسانی کا ایک ذریعہ ہیں۔ عام لوگوں تک اچھی بری سب خبریں وہی پہنچاتے ہیں۔ دنیا بھر کو وہی یہ اطلاع دیتے ہیں کہ کہاں کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔ ان کی اس ذمہ داری کا تقاضہ ہے کہ ہم اور مہارت کے حصول کی کوششیں مسلسل جاری رکھیں۔

رپورٹر میں حس مزاح بھی ہونی چاہیے صحافت کے شعبے میں اجرت کی شرح اوسط سے کم ہے۔ ان کے پیشے میں کام کا دباؤ بھی بہت ہے۔ خبر کے ذرائع رپورٹر سے طرح طرح کے تقاضے کرتے ہیں۔ ایڈیٹر الگ جھاڑ پلاتے ہیں اور نصیحت فضیحت کرتے رہتے ہیں۔ ناشر راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں، ایسے میں دماغ چکرا جاتا ہے لہٰذا غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ رپورٹر کی ذمہ داریاں کبھی تمام نہیں ہوتیں اور نہ اسے کبھی اپنی خدمات کے مطابق معاوضہ ملے گا، لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ کام ان کے لیے کبھی بیزار کن ثابت نہ ہو گا۔ یہی لگن، یہی تشخیص ان کا انعام ہے اور معاوضہ بھی۔

☆☆☆